تنزیہ مکانۃ الزہراء عن وصمۃ الخطاء

محفوظہ عن الخطاء

مؤلف:۔ محقق زمان مفتی محمد چمن زمان نجم القادری
رئیس جامعۃ العین سکھر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین ، وعلی آله واصحابه اجمعین

ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ ایمان بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی حفاظت کا اہتمام کرنا لازمی ہے، کوئی ایسا قول و فعل جو ایمان کے لیے نقصان دہ ہو، اس سے بچنا ضروری ہے اگر دانستہ یا نادانستہ کسی سے سرزد ہوجائے تو توبہ و رجوع الی الحق میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔زندگی کا کوئی بھروسا نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بغیر توبہ کیے موت آجائے اور آخرت بھی برباد ہوجائے۔

عربی مقولہ ہے لكل جواد كبوة۔ (مشاق گھوڑا بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے)۔ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے۔ غلطی کو غلطی نہ ماننا بڑی غلطی ہے۔عذر گناہ بدتر از گناہ کی کہاوت بھی مشہور ہے۔

عقائد کے باب میں بہت احتیاط چاہیے اور وہ مقدس و مطہر ہستیاں جن کی محبت و تعظیم واجب ہے ان کے بارے میں بہت زیادہ احتیاط چاہیے۔ قرآن نے تو شعائر اللہ کی تعظیم کو بھی دلوں کا تقوی فرمایا۔ اللہ تعالی کی پسندیدہ اور برگزیدہ ہستیوں کے لیے تو یہی تعلیم ہے کہ ان کے ادب و احترام میں کمی کرنے سے خسارہ ہی خسارہ ہے۔بے ادب محروم ماند از لطف رب۔

انسان پر سب سے زیادہ آفات اس کی زبان ہی کی وجہ سے آتی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ زبان میں ہڈی نہیں ہوتی مگر یہ ہڈیاں تڑوادیتی ہے۔ زبان پھسل جانا، زلّۃ اللسان، سلپ آف ٹنگ کس سے نہیں ہوتی؟ لیکن احساس ندامت کرتے ہوئے

توبہ و معافی ہی سے عافیت ہوتی ہے۔

ہمیں تو یہ سکھایا گیا کہ جو اچھا نہیں کہہ سکتا وہ چپ تو رہ سکتا ہے مگر نہ گناہ کی پرواہ نہ ہی دل آزاری کی، الامان۔

بے ادبی، اہانت اور گستاخی کرنا تو سنگین اور شدید فعل ہے۔

ہمارا دین تو سچے صحیح عالم دین کی توہین پر سخت حکم سناتا ہے تو وہ مقدس ہستیاں جن کا ادب و احترام ایمان کی جان ہے، ان کے بارے میں کس قدر احتیاط ہونی چاہیے۔

اللہ تعالی کے آخری رسولِ مکرم ﷺ کے ایک بال مبارک کو اذیت پہنچانا اللہ تعالی اور اس کے رسولِ کریم ﷺ کو اذیت پہنچانا ہے۔

خاتم النبیین ﷺ کے پڑوسی اہلِ مدینہ کے لیے برائی کے ارادہ پر بھی شدید وعید ہے کہ اسے دوزخ کی آگ میں پگھلایا جائے گا اور احادیث میں رسول پاک ﷺ کے پڑوسی اہل مدینہ کو اذیت دینے پر اللہ تعالی، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کا بیان ہے۔

ذرا سوچیے، ابو لہب کی بیٹی مسلمان ہوجاتی ہے۔ صحابیہ بن جاتی ہے۔ ابولہب کو قرآن پاک میں جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ کسی صحابی نے صحابیہ رسول حضرت سبیعہ بنت ابولہب (رضی اللہ تعالی عنھا) کو جہنم کے ایندھن کی بیٹی کہہ کر پکارا، صحابیہ کو ناگوار گزرا وہ بارگاہِ رسالت میں آکر شکایت کرتی ہیں۔ خاتم النبیین ﷺ جلال میں آئے اور لوگوں کو جمع کرکے فرمایا، کون ہے جو میری قرابت کے بارے میں مجھے اذیت پہنچاتا ہے؟

کیا فی الواقع ابولہب جہنم کا ایندھن نہیں؟ یقیناً ہے مگر بنت ابولہب کو طنزاً اس طرح پکارنا بھی رسالت مآب ﷺ کو ناگوار گزرا۔ واضح ہوا کہ بہت احتیاط چاہیے۔ صحابیہ اور چچا زاد بہن کے لیے نامناسب الفاظ اور لہجہ جب رسولِ پاک ﷺ کی اذیت کا باعث ہے تو اپنے جگر کے ٹکڑے اور اولاد میں سب سے زیادہ محبوب شاہ زادی کے لیے نامناسب لہجے میں کہے گئے بے ادبی کے الفاظ کیوں کر اذیت دہ نہ ہوں گے؟ احادیث شریفہ میں واضح بیان ہے کہ سیدہ کائنات کی اذیت بلاشبہ رسولِ پاک ﷺ کی اذیت ہے۔ ان کے فضائل و مناقب اور مرتبت کا پاس بھی بہرحال ضروری ہے۔

ہمارا عقیدہ واضح رہے کہ ہم انبیاء و رسل اور ملائکہ کے سوا کسی کو شرعی حقیقی معصوم نہیں مانتے۔ آل و اصحاب اور اولیاء اللہ (درجہ بدرجہ) محفوظ عن الخطا مانتے ہیں۔ ہم رافضیت، خارجیت، ناصبیت، تفضیلیت سے بیزار ہیں۔ ہم مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت کے پابند اور اسی پر کاربند ہیں۔

جب خطا پر مان کر بعد میں بے خطا بے گناہ کہا ہے تو پہلے کہے پر توبہ و رجوع کیوں دشوار ہورہا ہے؟ وضاحتوں میں مزید الجھتے چلے گئے اور خطا پر خطا ہوتی چلی گئی مگر شرعی تقاضوں کے مطابق توبہ نہ کی گئی۔

رجوع کیا ہوتا ہے؟ کیسے ہوتا ہے؟ کیوں ضروری ہے؟ یہ سب انہیں معلوم ہوگا۔ ان سے عرض ہے کہ ردّ روافض ضرور کیجئے لیکن ردّ روافض میں کیا مخدومۂ کائنات کے لیے "خطا" کرنا ہی آپ کے نزدیک "صواب" (صحیح) ہے؟ الحذر الحذر

ڈیڑھ دو ماہ سے بہت واویلا ہورہا ہے، طرح طرح کی بولیاں بولی جارہی ہیں۔
لوگ کتنی باتوں پر جری ہوگئے ہیں۔روافض نے گھناؤنے کھیل شروع کردیے۔
خوارج نے اپنی عادتِ بد میں تیزی کردی۔امت بٹتی جارہی ہے۔
ایک مطالبہ تھا کہ شرعی حکم کیوں بیان نہیں کیا جاتا۔متعدد کانفرنسوں میں ہر ایک عالم نے اپنے طور پر دلائل بیان کیے مگر تحریر میں دلائل کے ساتھ شرعی حکم کا تقاضا مسلسل ہوتا رہا۔
فاضل نوجوان علامہ مفتی محمد چمن زمان نجم القادری حفظہ اللہ تعالی سنجیدہ لب و لہجہ رکھتے ہیں اور دلائل کے ساتھ بات کرتے ہیں۔اس مسئلہ پر وہ پہلے ہی مختصر تحریر پیش کرچکے ہیں۔اب انہوں نے قدرے تفصیل سے فتویٰ تحریر فرمایا ہے جو پیش کیا جارہا ہے۔امید ہے ان کی اس کاوش سے لوگوں کے اذہان و قلوب پر حقائق واضح ہوں گے۔
واضح رہے کہ یہ فتویٰ کسی ضد یا کسی زعم فاسد میں نہیں لکھا گیا۔کوئی ذی علم اس فتویٰ کے مندرجات سے اگر اتفاق نہ کرے تو اس سے بہتر اور مضبوط دلائل حقہ کی بنیاد پر اپنا اختلاف کا حق محفوظ رکھے۔
اللہ تعالی جل شانہ ہمیں سچ اور حق پر استقامت عطا فرمائے۔
اللہ بس باقی ہوس

کوکب نورانی اوکاڑوی

غفرلہ

پیشکش:

- ♥ حضرت قبلہ پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی شاہ صاحب
(امیر جماعتِ اہلسنت پاکستان)
- ♥ حضرت قبلہ امیرِ اہلسنت پیر سائیں عبد الخالق قادری
(زیبِ سجادہ خانقاہ عالیہ بھرچونڈی شریف (سندھ))
(امیر مرکزی جماعتِ اہلسنت پاکستان)
- ♥ جانشینِ محدثِ اعظم پاکستان حضرت قبلہ
صاحبزادہ فضلِ رسول حیدر صاحب
فیصل آباد
- ♥ حضرت قبلہ صاحبزادہ سید حبیب الحق شاہ صاحب سلطان پوری
(جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی)
- ♥ حضرت قبلہ پیرِ طریقت الحاج امیر الدین نقشبندی مجددی
(سوئی۔ ضلع ڈیرہ بگٹی۔ بلوچستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک خطیب نے مسئلہ فدک بیان کرتے ہوئے سیدہ طیبہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تاکید کے ساتھ زور دے کر یہ جملے کہے کہ "جب مانگ رہی تھیں خطا پر تھیں "

ملک کے نامور سنی علماء کرام نے خطیب مذکور کے ان جملوں کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بارگاہ میں سوئے ادب قرار دے کر توبہ ورجوع کی دعوت دی۔مگر انہوں نے مزید سلسلہ بیانات کو آگے بڑھاتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق بھی بیانات دیئے کہ :

"جب نبیوں کی طرف خطا کی نسبت کی جاسکتی ہے تو سیدہ کی طرف کیوں نہیں کی جاسکتی"

اور یہ بھی کہا کہ سیدی اعلی حضرت نے بھی آدم علیہ السلام کے بارے میں ایک جگہ یہ لکھا کہ "انہوں نے خطا کا ارتکاب کیا "

سوال یہ ہے کہ: کیا "خطا پر تھیں" ،"جب مانگ رہی تھیں توخطا پر تھیں"

اور پھر انبیاء کرام کی عصمت سے متعلق یہ باتیں بے ادبی شمار ہوتی ہیں یا نہیں؟

اور کیا اعلیحضرت نے کسی مقام پر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو مرتکب خطا لکھا ہے ؟

نیز یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات قدسیہ کے بارے میں اہل سنت کا موقف کیا ہے؟

المستفتی

محمد نوید عباسی

الـــجـــوابـــــــــ

بـــعـــــون المـــلـــک الـعـزیـز الـوهـابـــ

الحمد لله مالک الارض والسماء ، والصلوة والسلام على سيد الرسل والانبياء ، وعلى آله وصحبه اولى النهى ، لا سيما على من هى من ناسكات الأصفياء وصفيات الأتقياء ، سيدة النساء فاطمة الزهراء المحفوظة عن الخطاء ، السيدة البتول ، البضعة الشبيهة بالرسول ، ألوط أولاده بقلبه لصوقا ، وأولهم بعد وفاته به لحوقا ، كانت عن الدنيا ومتعتها عازفة، وبغوامض عيوب الدنيا وآفاتها عارفة ، رضى الله تعالى عنها وارضاها

اجمالی جواب وخلاصۂ حکم:

خطیب مذکور کے چند خطابات میں نے خود سنے۔ موصوف کی غلطیوں کی فہرست طویل ہے۔ ابتداءً موصوف نے:

(1):"جگر گوشۂ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کی جانب" ، (2):"مخصوص موقع سے متعلق" ،(3):"بطورِ مقابلہ" ،(4):"جانبِ مقابل کا دفاع کرتے ہوئے" ، (5):"مجمع عام میں " ، (6):"بر سرِ منبر" ، (7):"انتہائی بھونڈے انداز میں" ،(8):"بلا قید" ،(9):"خلافِ واقع" ،

(10): "وقوعِ خطا و غلطی کی نسبت کا" ، (11): "تکرار کیا۔"
جو یقیناً سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی سخت بے ادبی، اور ایذائے مصطفی ﷺ کا باعث ہے۔

بعد ازاں:

سمجھانے پر انتہائی تعلی و تکبر کا مظاہرہ، پھر متعدد بار مطلق بولے گئے لفظِ "خطا و غلطی" کی بلا قرینہ بلکہ خلافِ قرینہ خطاء اجتہادی سے تاویل، حالانکہ تاویلِ صحیح بھی عرف میں بے ادبی سمجھی جانے والی گفتگو کو دائرہ اساءت سے نہیں نکال سکتی۔

پھر مسئلہ اجتہادیہ بنا کر (1) "مجتہدِ معین"، بلکہ (2) "عظیم صحابیہ"، بلکہ (3) "طبقۂ اعاظم صدیقین"، بلکہ (4) "بضعۂ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم" کی جانب نسبتِ "وقوعِ خطا" کا تکرار، جو محض عام صحابی یا صحابیہ کی نہیں بلکہ اہلِ بیت کے عظیم فرد، صدیقۂ عظمی بلکہ بضعۂ رسول ﷺ کی بے ادبی ہے، اور بالخصوص اس وقت جبکہ یہ نسبت واقع کے مطابق بھی نہیں۔

بعد ازاں اپنی غلطی کو درست ثابت کرنے کے لیے "قرآنِ عظیم میں تحریفِ معنوی" کا ارتکاب، بعض آیات کو "کلمۂ کفر" قرار دینا، اور کہنا کہ "حضرت ابراہیم وجنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے مخصوص حالات کے پیشِ نظر یہ کلمات (معاذ اللہ جسے کلمۂ کفر قرار دے چکا) بولے (اعاذنا اللہ من

ذلک) ، اپنی گفتگو کو درست ثابت کرنے کے لیے"انبیاءِ کرام کے معاملات"
کو محلِ مثال میں لانا جو بتصریحِ ائمہ شدید حرام، نیز"ہر ہر نبی"کی جانب"وقوعِ
خطا"کی نسبت جو تکذیبِ انبیاء کو مستلزم۔۔۔اعاذنا اللہ تعالی من ذلک
عوام کو مختلف طریقوں سے مغالطہ دینا ، جیسے:دعوی "وقوعِ خطا" کا جبکہ
استناد"امکان" والی عبارات سے ،مسئلہ عصمت وحفظ کے ذریعے مغالطہ،
عباراتِ علماء جیسے فواتح الرحموت کی عبارت، تفسیرِ کبیر کی عبارت، فتاوی رضویہ
کی عبارت، حاشیہ کلنبوی کی عبارت ، حضورِ اعلی قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی
عبارت کوعام طبقہ کے سامنے توڑ مروڑ کر پیش کرنا عصمت کو انبیاءِ کرام کا خاصہ
حقیقیہ ظاہر کرنا۔۔۔وغیرھا ان گنت تلبیسات وضلالات موصوف کی گفتگو میں
موجود ہیں۔

متفقہ اعلامیہ کے چوتھے اور پانچویں نکتہ کو اہلِسنت کا مذہب قرار دینا جبکہ یہ
دونوں خلافِ واقع بلکہ ان سے امر شدید لازم۔۔۔

اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے"تتبعِ زلاتِ علماء"، اور ایسے ضوابط
گھڑنا جن سے "بدترین کفر لازم" ، تنبیہ کے باوجود اپنی باتوں پہ "قائم ومصر
"بلکہ امورِ مذکورہ بالا کا" داعی "اور انہیں"فکرِ اہلسنت کی ترجمانی" قرار دینا۔۔۔
سمجھانے والے "علماء کی توہین وتحقیر"، "ساداتِ کرام کا مذاق اڑانا"، اپنے
"مخالفین کو رافضی قرار دینا"، اپنی ہٹ دھرمی کے باعث"اہلِسنت کی صفوں

میں بدترین افتراق وانتشار"کا باعث بنا۔۔۔

اور اب یہ فکر ایک "تحریک"کی صورت اختیار کر چکی ہے اور خطیبِ مذکور کے حامی سیدہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بارے میں یہاں تک لکھ چکے ہیں کہ

"آپ کے مطالبہ کا مبنی بر خطا ہونا قطعی ہے اور اس کے خطا ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے اور اسے قطعی یقینی خطا ماننا ضروری ہے۔۔۔اور سیدہ کے خطا پر ہونے کا اقرار واعتراف بھی لازمی وضروری ہے"

سنتِ سیئہ کے اجراء کے باعث ان بعد والوں کے گناہوں کا ذمہ دار بھی خطیبِ مذکور۔۔۔

بنابر امورِ مذکورہ بالا:

وہ شخص ضال،مُضِل اور منہج اہلسنت سے الگ ہو چکا ہے۔ویلزم من کلامه کفر بوجوه عدیدة لکن لانکفر احدا من المسلمین متی امکن حمل کلامه علی محمل حسن او وجدت روایة أنه لا یکفر ولو روایة ضعیفة ولو کانت الروایة لغیر أهل مذهبنا واللّٰه عزاسمه اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

تفصیلِ اجمال:

ملاحظہ:جواب سے قبل چند امور ملحوظِ خاطر رہیں:

(1): "عصمت" انبیاءوفرشتگان کا خاصہ

عصمتِ اصطلاحیہ صرف اور صرف انبیاءِ کرام اور فرشتوں کا خاصہ ہے۔ جو"عصمتِ اصطلاحیہ وشرعیہ" کسی اور کے لیے مانے وہ خارج از اہلِسنت ہے۔ عمدۃ المرید میں ہے

مما يجب اعتقاده وجوب عصمة الله تعالى لانبيائه وملائكته فقط (1)

وہ امور جن کا اعتقاد واجب ہے انہی میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ جل وعز صرف اپنے انبیاء اور فرشتوں کو معصوم رکھتا ہے۔

ھدایۃ المرید میں ہے:

ان مما يجب شرعا اعتقاده على كل مكلف وجوب عصمة الله تعالى لانبيائه وملائكته عقلا اى لكل فرد فرد منهم دون غيرهم من الآحاد من حيث هى كذلک(2)

جن امور کا شرعا ہر مکلف پر اعتقاد واجب ہے انہی میں سے ایک ہے اللہ جل وعز کا اپنے

(1) (عمدۃ المرید ص969)

(2):(ھدایۃ المرید ص805،806)

انبیاء وملائکہ کو معصوم رکھنے کا وجوبِ عقلی۔ یعنی ان ذواتِ عالیہ میں سے ہر ہر فرد کے لیے (عصمت واجب ہے) بر خلاف ان کے علاوہ (عام انسانوں یا جنات کے) افراد کے، افراد ہونے کے لحاظ سے۔

عون المرید میں ہے:

ان من الضلال ان یوصف الائمة غیر الانبیاء بعصمة کعصمة الانبیاء لان فضیلة الانبیاء وعلو قدرهم بما وهبهم الله من العصمة والکمال بالرسالة والوحی لم یشارکهم فیه احد ولا یساویهم فیه بشر آخر والا لم یکن لهم فضل ومزیة وکانت القدوة بغیرهم مساویة للقدوة بهم والاخذ عنهم کالاخذ من غیرهم وتلک مقالة اهل الکتاب وعقیدتهم (3)

انبیاءِ کرام کے علاوہ ائمہ کو انبیاء جیسی عصمت سے موصوف کرنا گمراہی ہے۔ کیونکہ انبیاء کی فضیلت اور ان کا بلند مرتبہ جو انہیں اللہ جل وعز نے عصمت اور رسالت ووحی کے ذریعے کمال سے عطا فرمایا، اس میں ان کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا انسان اس معاملہ میں ان کے برابر ہے۔ ورنہ ان کے لیے فضیلت وبرتری نہ رہے گی اور دوسروں کی پیروی ان کی پیروی کے برابر ہو جائے گی، ان سے لینا دوسروں سے لینے جیسا بن جائے گا اور یہ (اہلِ اسلام کی نہیں بلکہ) اہلِ کتاب کی رائے اور ان کا عقیدہ ہے۔

شیخ علی بن محمد تمیمی نے نقل کیا:

العصمة المنع من الذنب مع عدم جواز الوقوع وهی للانبیاء والملائکة

---

(3):(عون المرید ص762)

علیہم الصلوۃ والسلام(4)

عصمت گناہ سے روکنے کے ساتھ ساتھ وقوع کے جائز نہ ہونے کا نام ہے۔ اور عصمت انبیاء وملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام کے لیے ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

اجماعِ اہلسنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، جو دوسرے کو معصوم مانے اہلسنت سے خارج ہے۔(5)

رسالہ امام اجل تورپشتی میں ہے:

وفتنہ ادعای عصمت در غیر انبیاء اندک نشمرند کہ ایں امام معصوم سپری است کہ باطنیاں آنراں از بہر دفع احکامِ شرع وتوہین قضایاء مسلمانی وتضلیل اہلسنت وجمعات ساختہ اند

اور علماء غیر انبیاء میں عصمت کے دعوی کا فتنہ معمولی شمار نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ امام معصوم ایک ڈھال ہے جسے فرقہ باطنیہ نے احکامِ شرع کے دفع، مسلمانوں کے قضایا کی توہین اور اہلِ سنت وجماعت کو گمراہ قرار دینے کے لیے بنایا ہے۔

چند سطور بعد فرمایا:

واطلاق این لفظ اصطلاحِ ایشان ۔ دینداران را باید کہ زبان وگوش خود را از

---

(4):(تقریب البعید ص105)

(5):(فتاوی رضویہ 14/187)

آلائش این بدعت مصون دارند واللهالمستعان المنقذ من الضلال(6)

یہ لفظ فرقہ باطنیہ کی اصطلاح ہے۔ دینداروں کو چاہیے کہ اپنی زبان اور اپنے کان اس بدعت کی گندگی سے محفوظ رکھیں۔ اور اللہ جل وعزہی سے مدد کا مطالبہ ہے جو گمراہی سے نکالنے والا ہے۔

فائدہ:

رسالہ امام اجل تورپشتی وہ عظیم رسالہ ہے جس کی ترغیب شیخِ مجدد رحمہ اللہ تعالی نے فرمائی۔ فرمایا:

واز برائے تصحیحِ این عقائدِ حقہ رسالۂ امام اجل تورپشتی بسیار مناسب است۔وقریب بفہم مذکور مجلس شریف بودہ باشد۔(7)

ان عقائدِ حقہ کی تصحیح کے لیے امام اجل تورپشتی کا رسالہ بہت مناسب اور مجلسِ مذکور کے فہم کے قریب۔۔۔

تنبیہ اول:

غیر انبیاء وفرشتگان کے معصوم نہ ہونے کا مطلب ہرگزیہ نہیں کہ"ان سے بالفعل گناہوں یاخطاؤں کا صدور ضروری ہے۔"اولیاءِ کاملین معصوم نہ ہوکر بھی انہیں"حفظِ الہی" نصیب

(6):(المعتمد فی المعتقد ص192،193)

(7):(مکتوباتِ امام ربانی،مکتوب نمبر193)

ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ گناہ وخطا سے منزہ کر دیئے جاتے ہیں۔گو ان کے حق میں امکانِ وقوعی باقی ہوتا ہے جو درجۂ عصمت وحفظ میں مابہ الامتیاز بنتا ہے، لیکن امکانِ وقوعی کے ہوتے ہوئے بھی بعض کاملین ہر قسم کے گناہ حتی کہ خطا سے بھی پاک ہوتے ہیں درج المعالی میں ہے:

یقال للانبیاء معصومون وللاولیاء محفوظون(8)

انبیاء کو معصوم کہا جاتا ہے اور اولیاء کو محفوظ۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

ویقال فی الانبیاء معصومون وفی الاولیاء محفوظون الفرق دقیق بینهما لیس هنا محل بسطه(9)

اور انبیاء کے بارے میں معصوم بولا جاتا ہے جبکہ اولیاء کے بارے میں محفوظ۔ ان دونوں کے بیچ باریک فرق ہے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

درجہ چہارم: ہر قسم حکایت بے محکی عنہ کے تعمد سے اجتناب کلی کرے اگرچہ برائے سہو وخطا حکایت خلاف واقع کا وقوع ہوتا ہو یہ درجہ خاص اولیاء اللہ کا ہے۔

درجہ پنجم: اللہ عزوجل سہوا وخطاً بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان وقوعی باقی ہو

(8):(درج المعالی ص9)

(9):(شرح الامالی للقاری ص21)

یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے۔(10)

تنبیہ ثانی:

عصمت کا اطلاق کبھی حفظ کے معنی میں بھی ہوتا ہےاور اس اطلاق کو نہ تو گمراہی کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی ناجائز وحرام۔ اس معنی کے لحاظ سے عصمت کی دعا بھی جائز ہے، گو معنی اصطلاحی وشرعی جس میں ذنب کے صدور کا استحالہ ملحوظ ہو، اس معنی کے لحاظ سے عصمت کی دعا جائز نہیں۔امام ابو الحسن شاذلی حزب البحر میں کہتے ہیں:

اللهم؛ يا علي يا عظيم، يا حليم يا كريم، أنت ربي، وعلمك حسبي، فنعم الرب ربي، ونعم الحسب حسبي، تنصر من تشاء وأنت العزيز الرحيم، نسألك العصمة في الحركات والسكنات، والكلمات والإرادات والخطرات؛ من الشكوك والظنون، والأوهام الساترة للقلوب عن مطالعة الغيوب(11)

اے اللہ، اے بلند، اے عظمت والے، اے حلم والے، اے کریم، تو میرا پروردگار ہے اور تیرا علم مجھے کافی ہے۔ تو میرا بہترین پروردگار ہے اور مجھے بہترین کفایت فرمانے والا۔ تو جس کی چاہے مدد فرماتا ہے اور تو غالب مہربان ہے۔ ہم تجھ سے حرکت وسکون، گفتگو وارادہ ودلی خطرات میں شک اور بدگمانیوں سے اور ان اوہام سے"عصمت" کا سوال کرتے ہیں جو غیب کے مطالعہ سے دلوں کو چھپانے والے ہیں۔

---

(10):(فتاوی رضویہ 15/353)

(11):(حزب البحر ص1)

ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالی نے الفتح المبین میں فرمایا

(والعصمة) أي: الحفظ عن الوقوعِ في المخالفات، ويؤخذ من كلامه: أنه يجوز لنا الدعاء بالعصمة، وهو ظاهر إن أُريد بها الحفظ من الذنب مع جواز وقوعِ خلافه، وهذا هو الثابت لغير الأنبياء، وأما الثابت للأنبياء عليهم الصلاة والسلام. . فهو الحفظ مع استحالة وقوع خلافه، وأما مَنْ منع الدعاء بها مطلقًا، واعترَضَ على الشيخ الأستاذ أبي الحسن الشاذلي في الدعاء بها في "حزبه". . فلم يصب؛ إذ لا دليل يعضده، ولا قياس يساعده(12)

(اور عصمت) یعنی احکام شرع کی خلاف ورزی سے۔ اور آپ کی گفتگو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم "عصمت" کی دعا کر سکتے ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے جبکہ عصمت سے "گناہ سے حفاظت جبکہ صدور جائز ہو" کا ارادہ کیا جائے۔ اور یہی وہ معنی ہیں جو غیر انبیاء کے لیے ثابت ہیں۔ بہر حال جو انبیاء کے لیے ثابت ہیں وہ "گناہ سے حفاظت ہے جبکہ حکمِ الہی کی خلاف ورزی کا صدور محال ہو"

اور جس شخص نے عصمت کی دعا سے مطلقا منع کیا اور شیخ استاذ ابو الحسن شاذلی پر حزب البحر میں "عصمت" کی دعا پر اعتراض کیا، اس نے درست نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے پاس نہ تو کوئی مضبوط دلیل ہے اور نہ ہی قیاس اس کی تائید کرتا ہے۔

عمدة المرید میں ہے:

وقع لبعض متاخرى المالكية ان الدعاء بالعصمة انما يجوز اذا كانت

(12):(الفتح المبین لابن حجر الہیتمی ص118)

مفیدة مثل اللہم اعصمنی من الخطا او الزنا او الجنون حتی تقبضنی الیک غیر مفتون والحق جوازہ کما یؤخذ من کلام القرافی فی فروقه وبه جزم الهیتمی (13)

بعض متاخرین مالکیوں نے کہا کہ عصمت کی دعا جائز ہےجبکہ مفید ہو۔ جیسے: اے اللہ مجھے خطا سے، یا بدکاری سے، یا جنون سے معصوم رکھ تا آنکہ تو مجھے آزمائش میں ڈالے بغیر اپنی طرف اٹھالے۔ اور حق یہ ہے کہ یہ دعا جائز ہے، جیسا کہ قرافی کی فروق میں کلام سے مستفاد ہے اور اسی پہ ہیتمی نے جزم کیا۔

اس مسئلہ کی اتم تفصیل تو راقم کے رسالہ "عصمت وحفاظت" میں ملاحظہ ہو۔ یہاں ان سطور کو ذکر کرنے کا مقصد محض اتنا ہے کہ اگرچہ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے عصمت انبیاء وملائکہ کا خاصہ ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے معنی کے لحاظ سے غیر انبیاء یا غیر ملائکہ کو معصوم کہہ دیا تو اس پہ بدعقیدگی کا فتوی لگا دیا جائے۔ عرف میں بچوں پر بھی معصوم بولا جاتا ہے اور یہ مسئلہ اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کے زیرِ قلم بھی آیا، لیکن اس اطلاق پہ کسی طرح کی شدت نہ فرمائی۔ اعلیحضرت کی کلام ملاحظہ ہو، فرمایا:

پھر عرفِ حادث میں بچوں کو بھی معصوم کہتے ہیں یہ خارج از بحث ہے۔(14)

---

(13):(عمدۃ المرید ص975)

(14):(فتاوی رضویہ14/187)

(2): بے ادبی کا معیار عرف ہے:

تعظیم و بے ادبی کا معیار و مدار عرف ہے۔ اہلِ عرف جسے بے ادبی سمجھیں وہ بے ادبی ہی ہے چاہے وہ حقیقت کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو، اور اہلِ عرف کے ہاں جو بات بے ادبی شمار نہ ہوتی ہو وہ خلافِ واقع ہو کر بھی بے ادبی ہونا لازمی نہیں۔

امام سبکی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا:

والمرجع فيما يسمى سبا وما لا يسمى سبا الى العرف۔ (11)

"سَبّ" (گالی / بے ادبی / تکسیرِ شان) کہلانے اور نہ کہلانے کا مرجع عرف ہے۔

دوسرے مقام پہ فرمایا:

وهو امر يرجع فيه الى العرف ، فان كل ما ليس له حد فى الشرع ولا فى اللغة يرجع فيه الى العرف والعادة فما عده اہل العرف سبا قلنا ہو سب وما لا فلا(12)

گالی وہ چیز ہے جس کا مرجع عرف ہے۔ کیونکہ ہر وہ چیز جس کے لیے کوئی شرعی یا لغوی حد نہ ہو تو اس کا مرجع عرف و عادت ہوتا ہے۔ پس جسے اہلِ عرف گالی شمار کریں گے، ہم کہیں گے وہ گالی ہے اور جسے وہ گالی نہ بولیں ہم بھی نہ بولیں گے۔

اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی نے فتاوی رضویہ میں جابجا اس ضابطہ کو بیان فرمایا۔ جلد چہارم میں

---

(11): (السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ ص 331)

(12): (السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ ص 431)

فرماتے ہیں:

قرآن مجید اگرچہ دس غلافوں میں ہو پاخانے میں لے جانا بلاشبہہ مسلمانوں کی نگاہ میں شنیع اور اُن کے عرف میں بے ادبی ٹھہرے گا اور ادب وتوہین کا مدار عرف پر ہے۔(13)

چھٹی جلد میں ہے:

تعظیم وتوہین کا مدار عرف پر ہے عرب میں باپ کو کاف اور انت سے خطاب کرتے ہیں جس کا ترجمہ "تو" ہے اور یہاں باپ کو"تو" کہے بیشک بے ادب گستاخ اوراس آیہ کریمہ کا مخالف ہے:

لا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهماقولاً كريما

(ماں باپ کو ہُوں نہ کہہ نہ جھڑک اوران سے عزّت کی بات کہہ) (14)

ساتویں جلد میں ہے:

نیز اس قاعدہ مسلمہ مرعیہ عقلیہ شرعیہ سے معلوم کہ توہین وتعظیم کا مدار عرف وعادت ناس وبلاد پر ہے۔(15)

بائیسویں جلد میں ہے:

اور شک نہیں کہ تعظیم وتوہین کا مدار عرف وعادت پر ہے۔(16)

اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کے والدِ گرامی مولانا نقی علی خان رحمہ اللہ تعالی نے"اصول

---

(13):(فتاوی رضویہ4/608)

(14): (فتاوی رضویہ6/635)

(15): (فتاوی رضویہ7 / 315)

(16):(فتاوی رضویہ22/363)

الرشاد لقمع مبانی الفساد" قاعدہ نمبر 20 میں خاص اسی امر کی وضاحت فرمائی کہ:

"درباب تعظیم وتوہین عرف وعادتِ قوم ودیار پر بڑا اعتبار ہے۔"(17)

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ:

کسی بھی چیز کا گالی ہونا، بے ادبی ہونا یا تعظیم ہونا، اس کا تعلق لوگوں کے عرف وعادت سے ہے۔ جو چیز جہاں بے ادبی سمجھی جاتی ہے وہ اس علاقے میں بے ادبی ہی شمار ہوگی بھلے دوسرے علاقے میں وہ بے ادبی شمار نہ ہوتی ہو۔ اور جو چیز تعظیم کے دائرے میں آتی ہے اس کا تعلق بھی عرف وعادت سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف جب کچھ لوگ دریدہ دہنی سے کام لیتے ہیں اور ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو ہماری بعض کتب یا صدیوں پہلے اہلِ علم نے بولے ہیں، لیکن ہمارے علماء(زادھم اللہ تعالی عزا وشرفا) ایسے تمام الفاظ سے منع کرتے ہیں جو عرف میں بے ادبی سمجھے جاتے ہیں، چاہے بطونِ کتب میں ہزار باران کا اطلاق موجود ہی کیوں نہ ہو۔

مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں:

اب چونکہ ہماری اردو اصطلاح میں لفظِ باغی بے ادبی کا لفظ مانا جاتا ہے، اس لیے اب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ یا ان کی جماعت یا کسی صحابی پر یہ لفظ نہ بولا جائے۔ کیونکہ ہماری اصطلاح میں باغی غدار اور ملک و قوم دشمن کو کہا جاتا ہے۔ اصطلاح بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے۔(18)

---

(17):(اصول الرشاد ص228)

(18):(امیر معاویہ پہ ایک نظر ص25)

فائدہ:

جب ثابت ہو چکا کہ بے ادبی کا معیار و مدار عرف وعادت ہے،تو اس سے خطیبِ مذکور کی گفتگو سے متعلقہ دو شبہات از خود زائل ہو گئے:

❖ نسبتِ خطا کے فی نفسہ جواز کا شبہ

جب خطیبِ مذکور پر علمائے اہلسنت کی طرف سے گرفت کی گئی تو موصوف اور ان کے حامیوں کی طرف سے یہ بحث چھیڑ دی گئی کہ:

"جب خطا کی نسبت جائز ہے تو اس میں بے ادبی کیسے ؟"

اس پہ خوب زور دیا گیااور بڑی شد ومد سے بیان کیا گیااور یہ سلسلہ جاری ہے۔

اقول:خطا کی نسبت جائز ہے یا جائز نہیں ، اس پہ ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے ، یہاں صرف اس بات پر تنبیہ ضروری ہے کہ:

اگر سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب خطا کی نسبت فی نفسہ جائز بھی ہو جب بھی خطیبِ مذکور کی گفتگو بے ادبی کے دائرے سے باہر نہ آئے گی۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ تعظیم اور بے ادبی کا معیار عرف وعادت ہے۔ جب اہلِ عرف نے خطیبِ مذکور کی گفتگو کو بے ادبی پر محمول کیا، تو اب یہ بحث محض عوام کو مغالطہ دینے کے لیے ہے کہ"جب خطا کی نسبت فی نفسہ جائز ہے تو اس میں بے ادبی کیسے ؟"

ایسے دسیوں جملے بطورِ مثال پیش کیے جاسکتے ہیں جو فی نفسہ درست ہونے کے باوجود بے ادبی شمار ہوتے ہیں۔تو کیا ان کے بارے میں بھی یہی فتوی دیا جائے گا کہ"چونکہ جملہ فی نفسہ درست ہے، لہذا اسے بولنا بےادبی اور گالی شمار نہیں ہونا چاہیے ؟؟؟"

❖ خطا سے خطا اجتہادی مراد ہونے کا شبہ

دوسرا شبہ یہ پیش کیا جارہا ہے کہ "خطا" سے خطیبِ مذکور نے "خطا اجتہادی" کی نیت کی تھی۔۔۔

اس مقام پہ "خطا" سے "خطا اجتہادی" مراد ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ اس پہ ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ لیکن یہاں اتنا سمجھنا ضروری ہے کہ اگر "خطا" سے "خطا اجتہادی" مراد لینا درست ہو جب بھی خطیبِ مذکور کی اولین گفتگو بے ادبی ہی رہے گی۔ کیونکہ اس میں لفظِ خطا مطلق تھا جس سے اہلِ عرف "قصور ، گناہ ، جرم ، تقصیر ، غلطی" کے معنی سمجھتے ہیں اور بے ادبی شمار کرتے ہیں۔ لہذا بعد کی تخصیصات کئی ماہ پہلے ہونے والی مطلق گفتگو جو عرف میں بے ادبی شمار کی گئی، اس کو بے ادبی کے دائرے سے نہ نکال پائیں گی۔

بالکل ایسے ہی کہ ایک شخص دوسرے کو "سگ کا بیٹا" کہہ ڈالے اور بعد میں کہے کہ میری نیت "سگِ غوث ورضا کا بیٹا" کی تھی۔ یا یوں کہیے کہ کسی کو "اوئے غلام کے بیٹے" کہا، جب گرفت ہوئی تو کہنے لگا "میری نیت غلامِ نبی کے بیٹے" کی تھی۔

ہر شخص سمجھتا ہے کہ اس قسم کی تاویلیں پہلی گفتگو کو بے ادبی سے نہیں نکالیں گی۔ ورنہ کوئی شخص کچھ بھی کہہ ڈالے ، کسی کو بھی گالی دے دے ، اور جب اس پہ گرفت ہو تو اس کی ایسی تاویل کر لے جس سے وہ گالی کے دائرے سے نکل آئے۔۔۔ اگر ایسا جائز ہو تو لوگوں کی عزتیں محفوظ نہ رہیں اور ہر بد باطن اہلِ عز و عظمت کی بے ادبیاں کرتا پھرے اور پھر تاویلیں پیش کر دے۔

محمد بن أحمد علیش نے ایک طالبِ علم کا واقعہ ذکر کیا، جس کے سامنے سیرت کا ایک نسخہ آیا جس میں روشنائی کا استعمال ٹھیک طرح سے نہ کیا گیا تھا، اسے دیکھ کر طالبِ علم نے کہہ دیا

"هذه سيرة رديئة"

"یہ گھٹیا سیرت ہے۔"

محمد بن أحمد بن محمد علیش کہتے ہیں:

أنکرت مقالته وشنع علیه ولم يتأول له تأويل يخرجه عن تشنيع ما وقع فيه.

اس کی گفتگو پر اعتراض کیا گیا اور اسے برا بھلا کہا گیا۔ اور اس کی گفتگو کی کوئی ایسی تاویل نہیں کی گئی جو اس برائی سے اسے نکالے جس میں وہ پڑا۔

بات قابلِ غور ہے کہ: اس نسخہ کی روشنائی مدہم تھی، بظاہر اس کا اعتراض سیرتِ شریفہ پر نہیں تھا بلکہ روشنائی پر تھا، لیکن اس کے باوجود اہلِ علم کی طرف سے اس کی بات کی تاویل نہیں کی گئی۔

کیونکہ: فہمِ اہلِ عرف کے لحاظ سے اس کا جملہ بے ادبی پر مشتمل تھا۔ اور اگر بے ادبی کے بعد تاویلوں کا باب کھول دیا جائے تو کوئی بے ادبی بے ادبی نہ رہے۔

علامہ محمد بن احمد بن محمد علیش نے یہ بات ذکر کرنے کے بعد اس قدر ضرور ذکر کیا کہ:

اس طالبِ علم کے حال کو دیکھ کر حکم لگایا جائے، اگر اس کے بارے میں کسی طرح کی تہمت نہ ہو تو اس کی گفتگو کو اچھے محمل پہ محمول کیا جائے۔

یہ کہنے کے باوجود علامہ محمد بن احمد نے ذکر کیا کہ: "ان الفاظ کے استعمال پر اعتراض وانکار باقی رہے گا تاکہ اس کی عادت نہ بنالی جائے۔"

علامہ محمد بن احمد کی گفتگو ملاحظہ ہو:

وعندي أنه ينظر إلى القائل فإن كان متهما في دينه فيشدد عليه في الأدب ويختبر أمره إن لم يظهر له شيء عوقب وسرح وإن ظهر عليه ريبة قوية أطيل حبسه وإن كان ممن لا يتهم فيحمل على أنه أراد الخط لسياق القضية وينكر عليه هذا اللفظ حتى لا يعود إليه.(19)

---

(19):(فتح العلی المالک 346/2)

اور میرے نزدیک یہ ہے کہ قائل کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ شخص دین کے بارے میں تہمت زدہ ہو تو اس پر ادب کے معاملے میں سختی کی جائے گی۔ اور اس کے معاملے کی چھان بین کی جائے گی، اگر اس کے لیے کوئی(بری) چیز ظاہر نہ ہو تو سزا دے کر چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر اس پر کوئی سخت شک ظاہر ہو تو اسے لمبا عرصہ قید میں ڈالا جائے گا۔ اور اگر ایسے لوگوں سے ہو جن پر دین کے بارے میں تہمت نہ ہو تو اس کی گفتگو اس پہ محمول ہو گی کہ "اس نے لکھائی کا ارادہ کیا" ، جس پر قرینہ مسئلہ کا سیاق ہے۔ اور (اس کے باوجود) اس کے الفاظ پر اعتراض کیا جائے گا تاکہ دوبارہ ایسے الفاظ استعمال نہ کرے۔

مطلب یہ نکلا کہ: اس طالبِ علم کی زبان سے یہ بات نکلنے کے بعد:

- ✓ اہلِ علم کی اکثریت نے اس کی گفتگو کی کسی طرح کی تاویل ہی نہ کی۔ بلکہ عرفی معنی کے لحاظ سے بے ادبی ہونے کی وجہ سے اس پر اعتراض کیا اور اسے برا بھلا کہا۔
- ✓ جبکہ بعض اہلِ علم نے "حکم لگانے" کے سلسلے میں تفصیل کی اور اس مسئلہ میں قائل کے حال کو دیکھنا ضروری سمجھا۔ لیکن جنہوں نے تفصیل کی، گفتگو پر اعتراض وانکار انہوں نے بھی لازمی قرار دیا۔

وجہ اس کی یہی ہے کہ اہلِ عرف جسے بے ادبی سمجھیں وہ بے ادبی ہی شمار ہو گی، اس کا قائل کوئی بھی ہو اور اس کی نیت کچھ بھی ہو۔ قائل کا حسنِ حال اس پہ لگنے والے حکم کی شدت وضعف میں اثر انداز ہو سکتا ہے لیکن اس کی گفتگو کو "نفسِ اساءت" سے باہر لے آئے، ایسا نہیں ہو سکتا۔

ہماری کتب میں اس قسم کے ان گنت مسائل موجود ہیں۔ مثلاً

کوئی شخص کسی ہاشمی سے کہے "بنی ہاشم پہ اللہ کی لعنت ہو" اور بعد میں کہے کہ میری نیت

سب کی نہیں تھی بلکہ صرف ظالموں کی تھی۔۔۔
یا: رسول اللہ ﷺ کی آل میں سے کسی شخص کے آباء واجداد کو برا بھلا کہے، پھر کہے کہ میری نیت سب کی نہیں تھی۔۔۔
علماء فرماتے ہیں کہ دونوں مسئلوں میں اگر قرینۂ تخصیص نہ ہو تو اس کی بات نہ مانی جائے گی۔۔۔
امام ابنِ حجر ہیتمی نے اپنے قواعد کی رو سے اتنا ضرور کہا کہ "اگر وہ دعویٰ تخصیص کرتا ہے تو اس کی بات مطلقا مقبول ہو گی اور اسے قتل نہ کیا جائے گا" لیکن اس کے باوجود اسے مطلقا بری الذمہ قرار نہیں دیا، بلکہ تعزیر میں مبالغہ کا حکم لگایا۔ کیونکہ اچھی نیت کا دعوی اسے قتل سے تو بچالے گا لیکن عرف میں بے ادبی سمجھی جانے والی گفتگو کرنے کے بعد"نیت" کا سہارا لے کر بے ادبی کے کے دائرے سے نہیں نکلے گا۔
قاضی عیاض مالکی کی گفتگو ملاحظہ ہو:
وقد يضيق القول في نحو هذا لو قال لرجل هاشمى لعن الله بنى هاشم، وقال: أردت الظالمين منهم أو قال لرجل من ذرية النبي صلى الله عليه وسلم قولا قبيحا في آبائه أو من نسله أو ولده على علم منه أنه من ذرية النبي صلى الله عليه وسلم ولم تكن قرينة في المسألتين تقتضي تخصيص بعض آبائه وإخراج النبي صلى الله عليه وسلم ممن سبه منهم(20)
بعض اوقات اس کی مثل گفتگو میں تنگی برتی جاتی ہے اگر کوئی شخص کسی ہاشمی سے کہے اللہ جل وعز کی بنی ہاشم پہ لعنت ہو۔ اور(بعد میں تاویل کے طور پہ بولے) میں نے ان میں سے ظالموں کی نیت کی تھی۔
یا نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اولاد میں سے کسی شخص کو اس کے باپ دادا کے بارے میں قبیح الفاظ بولے۔ یا آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نسل یا آپ ﷺ کی اولاد کے بارے میں

---

(20):(الشفا 236/2 ، 237)

، جبکہ جانتا ہو کہ وہ شخص نبی ﷺ کی اولاد سے ہے اور دونوں مسئلوں میں کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو بعض آباء کی تخصیص اور نبی ﷺ کے ان لوگوں سے اخراج کا تقاضا کرے جنہیں اس نے گالی دی۔

ابنِ حجر ہیتمی کی گفتگو ملاحظہ ہو:

وظاهر كلامه أن من قال لهاشمي: لعن الله بني هاشم، وقال: أردت الظالمين منهم، أو قال لمن يعلم أنه من ذريته صلى الله عليه وسلم قولا قبيحا في آبائه أو من نسله أو ولده لا يقبل تخصيصه بإرادة غير النبي صلى الله عليه سلم من غير قرينة، وهو محتمل لعموم لفظه، لكن الأقرب إلى قواعدنا قبوله مطلقا؛ لأن اللفظ بوضعه لا ينافي تلك الإرادة، لكن يبالغ في تعزيره.(21)

قاضی عیاض کی گفتگو کا ظاہر یہ ہے کہ جس نے ہاشمی کو کہا: اللہ جل وعلا کی بنی ہاشم پہ لعنت ہو۔ اور (تاویل کرتے ہوئے) بولا: میں نے ان میں سے ظالموں کی نیت کی تھی۔ یا جس کے بارے میں جانتا ہو کہ یہ نبی ﷺ کی اولاد سے ہے اس کے باپ دادا کے بارے میں برے الفاظ بولے، یا آپ ﷺ کی نسل یا آپ ﷺ کی اولاد کے بارے میں۔۔۔ تو بغیر کسی قرینہ کے نبی ﷺ کا غیر مراد ہونے کی تخصیص قبول نہیں کی جائے گی۔

حالانکہ یہ معنی اس کے لفظ کے عموم کے محتمل ہیں۔ لیکن ہمارے (یعنی شافعیہ کے) قواعد کے زیادہ قریب یہ ہے کہ (قرینہ ہو یا نہ ہو) اس کی تاویل کو مطلقا قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ لفظ اپنی وضع کے اعتبار سے اس ارادہ کے منافی نہیں، لیکن (اس کے باوجود) اس کی تعزیر میں مبالغہ کیا جائے گا۔

---

(21):(الاعلام بقواطع الاسلام ص187)

قابلِ غور بات ہے کہ:

ابنِ حجر اپنے قواعد و ضوابط کی رو سے اس شخص کی بات کو مطلقاً قبول کر رہے ہیں، لیکن پھر بھی فرماتے ہیں کہ "تعزیر میں مبالغہ ہو"

وجہ واضح ہے کہ اگر اس کی بات کو قبول نہ کیا جائے تو اس کی سزا قتل بنتی ہے۔ لہذا جب وہ تخصیص کی نیت کا دعوی کرتا ہے تو اب اسے قتل تو نہیں کیا جائے گا، لیکن اس کی بعد والی تاویل اس کی پچھلی گفتگو کو بے ادبی کے باب سے مکمل طور پر نہیں نکالے گی۔۔۔ لہذا قتل نہ کرنے کے باوجود اسے سخت سزا ضرور دی جائے گی۔

پس ثابت ہوا کہ:

اہلِ عرف نے جس گفتگو کو بے ادبی پہ محمول کیا، قائل کے حسنِ حال یا اس کے دعویٔ تخصیص کی وجہ سے اسے بدترین بے ادبی پر محمول نہ بھی کیا جائے، جب بھی وہ گفتگو اس قسم کے عوارض کے سبب بے ادبی کے دائرے سے مکمل طور پہ باہر نہیں آسکتی۔۔!!!

(3):مسئلہ فدک کا خلاصہ:

مسئلہ فدک کی بابت قدرِ متفق علیہ یہ ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب سے مطالبۂ فدک کیا گیا۔ جواباً سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی سنایا۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ زہراء کی جانب سے کبھی بھی اس سے متعلق کوئی مطالبہ نہ پایا گیا۔

رہی بات کہ:

مطالبہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا نے خود کیایا حضرت سیدنا علی المرتضی کو بھیجا؟، مطالبہ کس اعتبار سے تھا؟ یونہی سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب سے انقباضِ قلبی وغیرہا امور کی۔۔۔

تو چونکہ اس قسم کی روایات کئی احتمالات کے باعث افادۂ علم سے قاصر ہیں، لہذا ان کا درجہ اہلسنت کے مسلمہ اور یقینی اصولوں کے بعد آتا ہے۔ جو روایات ان اصولوں کے موافق ہوں گی وہ بلا چون وچرا مقبول اور جو بظاہر ناموافق ہوں گی ان کو درست محمل پر محمول کیا جائے گا۔ اور اہلسنت کے مسلمات سے ہے کہ:

- انبیاءِ کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔
- سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدۃ النساء سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا اعاظم صدیقین

سے ہیں، ان سے کوئی امر خلافِ شرع متصور نہیں۔

- ♥ معاملۂ فدک میں نہ تو سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کے مطالبہ میں کوئی قباحت تھی اور نہ ہی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی جانب سے کسی طرح کی حق تلفی پائی گئی۔

وہ روایات جو ان مسلمات کے بر خلاف آئیں گی، وہ واجب التاویل ورنہ واجب الرد ہوں گی۔ لہذا اس قسم کی روایات کو لے کر ثابتات میں نقب زنی عقل و شرع کے تقاضوں کے سراسر خلاف اور حماقت ہے۔

(4): قطبِ دوراں ، فاتحِ قادیانیت ، مجددِ دین وملت ، امام اہلسنت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی عبارت کا مطلب

گو اعلیحضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی عبارت اپنے مطلب میں بالکل واضح اور روشن ہے، لیکن چونکہ اس عبارت کو سامنے رکھ کر سادہ لوح عوام کو الجھایا جارہاہےاور سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی جانب ایسے امر کی نسبت کی جارہی ہے جس سے آپ کی جناب مکمل بری ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس عبارت کو مزید واضح کر دیا جائے۔

سب سے پہلے حضرت اعلی سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو، فرمانیا

اس موضوع پر ایک اور دلیل جو فریقِ مخالف کی طرف سے دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بموجبِ آیہ تطہیر اہلِ بیت علیہم الرضوان کو پاک گردانا۔ لہذا سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا فدک کا دعوی کرتے ہوئے کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہوسکتیں۔

اس دلیل کا تفصیلی جواب آگے چل کر آیہ تطہیر کی فصل میں دیا جائے گا۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آیہ تطہیر کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی بھی خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بمقتضائے بشریت ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہو تو وہ عفو و تطہیرِ الہی میں داخل ہو گی۔

سیدۃ النساء کی تحریک اور سلسلہ جنبانی نے ہم کو سمجھا دیا کہ آیہ یوصیکم اللہ فی اولادکم میں خطاب امت کی طرف ہے۔(22)

---

(22):(تصفیہ ص46،47)

عبارت کی سادہ سی تشریح یہ ہے کہ:

فریقِ مخالف نے مسئلہ فدک میں اپنے استدلال کی بنیاد اہلِ بیت کی عصمت پر رکھی اور اس عصمتِ اہلبیت کو آیۂ تطہیر کا مفاد بتایا۔

حضرت اعلی غوثِ زماں حضور سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی نے اس مقام پہ تفصیلی گفتگو نہیں فرمائی۔ محض فریقِ مخالف کی دلیل کی بنیاد یعنی آیۂ تطہیر کے مفاد پر گفتگو فرمائی اور بتایا کہ "آیۂ تطہیر کا مفاد وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو، اس کا مفاد کچھ اور ہے۔"

یہ گفتگو صرف اور صرف مخالف کی دلیل کی بنیاد سے متعلق فرمائی۔ اس سے زائد گفتگو کو اگلی فصل کے حوالے فرمادیا۔

تحلیلِ قیاسِ فریقِ مخالف:

یہ تو اس عبارت کی سادہ سی تشریح ہے، لیکن اگر آپ اسے منطق کی بیڑیوں میں جکڑنا چاہتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں:

حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو سمجھنے کے لیے فریقِ مخالف کی دلیل کی تحلیل ضروری ہے۔ فریقِ مخالف کا دعوی ہے کہ "باغِ فدک کا دعوی پورا نہ کرنا ظلم تھا"

صغریٰ قیاس بدیہیہ ہو گا، یعنی: باغِ فدک کا دعوی سیدہ فاطمہ کا تھا۔

کبریٰ قیاس کچھ اس طرح بنے گا اور سیدہ فاطمہ کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہو سکتیں۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ: باغِ فدک کے دعوی میں سیدہ فاطمہ کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں۔

اس نتیجہ کو لازم ہے کہ: "باغِ فدک کا دعوی جائز تھا"

اسے قیاس کا صغری بنا کر "دعوی جائز کو پورا نہ کرنا ظلم ہے" کو کبری بنایا جائے تو نتیجہ وہی آئے گا کہ: "باغِ فدک کا دعوی پورا نہ کرنا ظلم تھا۔"

قیاسِ اول کا کبری چونکہ نظریہ ہے، لہذا محتاجِ دلیل۔ دلیل کی ترکیب کچھ اس طرح ہو گی:

سیدہ فاطمہ اہلِ تطہیر سے ہیں اور اہلِ تطہیر کسی ناجائز امر کے مرتکب نہیں ہو سکتے فلہذا سیدہ فاطمہ کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہو سکتیں۔

اس قیاسِ اول کے کبری (اور سیدہ فاطمہ کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہو سکتیں) کی دلیل کے کبری (اور اہلِ تطہیر کسی ناجائز امر کے مرتکب نہیں ہو سکتے) کی بنیاد "آیۂ تطہیر کے من گھڑت معنی" ہیں۔

پس حضرت اعلی قطبِ دوراں فاتحِ قادیانیت، مجدد دین وملت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالی عنہ نے قیاس مطوی کے کبری کی دلیل کا رد فرمایا، جس سے قیاسِ مطوی باطل اور یونہی اس پہ مبنی قیاسِ اول کا کبری فاسد، لہذا مخالف کی دلیل بنیادوں سے اکھڑ گئی اور اس کا دعوی بے بنیاد ٹھہرا۔

حضرت اعلی امام اہلسنت حضور سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو کی سادہ تشریح کی جائے، یا منطقی قیدوں میں جکڑا جائے، یہ تشریح بالکل بے غبار ہے اور اس میں دور دور تک سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء کی جانب نسبتِ خطا کا نام ونشان نہیں۔

لہذا یہ دعوی کرنا کہ حضرت اعلی پیر صاحب رحمہ اللہ تعالی نے اپنی گفتگو میں سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب خطا کی نسبت کی ہے، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ سراسر زیادتی اور حضرت اعلی سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی پہ افتراء ہے۔
اعلیحضرت، امام اہلسنت، مجدد دین وملت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا اندازِ ادب تو یہ ہے کہ:

گزشتہ کلمات میں سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کو ایک فریق کی حیثیت دے کر گفتگو کی گئی۔ جس سے کوئی ایسا وہم ہو سکتا تھا جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی عظمتِ شان کے لحاظ سے مناسب نہ ہوتا، محض اس وہم کے اندیشہ کے پیشِ نظر حضرت اعلی سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی مدح وثناء میں مصروف ہو گئے اور خاص اس موقع پر آپ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب سے امتِ مسلمہ کے ہاتھ آنے والے عظیم نفع کا بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے

"سیدۃ النساء کی تحریک اور سلسلہ جنبانی نے ہم کو سمجھا دیا کہ آیہ یوصیکم اللہ فی اولادکم میں خطاب امت کی طرف ہے"(23)
اور اعلیحضرت، فاتحِ قادیانیت قبلہ سیدنا پیر صاحب رحمہ اللہ تعالی کا یہ انداز اسلوبِ قرآنی کی پیروی ہے۔ جب سیدنا داود و سلیمان علیہما الصلوۃ والسلام کے ایک فیصلے کا ذکر فرمایا اور اس میں جنابِ سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے فیصلہ کے رجحان کی طرف اشارہ فرماتے

---

(23):(تصفیہ ص47)

ہوئے فرمایا:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ

پس ہم نے حکمِ مسئلہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔

تو سننے والوں کے ذہن میں سیدنا داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی بابت کوئی ایسا خیال آ سکتا تھا جو آپ کی عظمتِ شان کے لائق نہ ہوتا۔۔۔ تو رب کریم جل وعز نے پہلے دونوں ذواتِ عالیہ کی مدح فرمائی، اور فرمایا:

وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا

اور دونوں ہی کو ہم نے حکم اور علم سے نوازا تھا۔

اور پھر بالخصوص سیدنا داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی مدح میں دو آیات مکمل فرمائیں

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ(24)

اور ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا جو تسبیح کرتے اور پرندے اور ہم ہی کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے داود کو تمہارے لیے زرہ بنانے کا فن سکھا دیا تاکہ وہ تمہیں تمہارے ہی ضرر سے بچائے۔ تو کیا تم شکر کرنے والے ہو۔

مالک کریم اپنے بندوں کے بارے میں جو چاہے فرمائے، لیکن اس کریم جل وعز نے ہمیں

(24):(الانبیاء79،80)

گفتگو کا ادب بھی سکھایا۔ اور اسی ادب کی پیروی کرتے ہوئے حضرت اعلی گولڑوی رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک مسئلہ ذکر کرنے کے بعد سیدہ طیبہ طاہو فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی مدح وثناء اور ان کی وجہ سے امتِ مسلمہ کو پہنچنے والا تا قیامِ قیامت عظیم فائدہ بیان فرمایا۔

جب حضرت اعلی فاتحِ قادیانیت حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ تعالی جانبِ سیدۃ النساء کا اس قدر لحاظ کر رہے ہیں، پھر بھی یہ کہنا کہ "حضرت اعلی سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب خطا کے وقوع کی نسبت کی ہے" ، صریح دروغ گوئی اور بہتان طرازی ہے۔

ابتدائی غلطی:

امورِ ضروریہ کے ذکر کے بعد ہم خطیبِ مذکور کی ابتدائی غلطی کی جانب آتے ہیں، خطیبِ مذکور کی ابتدائی غلطی سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے اسلوبِ مکروہ میں ایسے الفاظ کا استعمال ہے جسے اہلِ عرف نے بے ادبی سمجھا اور اس پر اعتراض کیا۔ اور ہم سطورِ بالا میں بیان کر چکے کہ بے ادبی کے باب میں اہلِ عرف کے فہم کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ پس جب اہلِ عرف نے اسے بے ادبی پر محمول کیا تو اب علل واسباب کی تنقیح کی حاجت نہ تھی۔ لیکن خطیبِ مذکور اور اس کے حامیوں کا اصرار ہے کہ اس بے ادبی کو معمولی حیثیت دیتے ہوئے اسے ہضم کرنے کی کوشش کی جائے۔ خطیبِ مذکور کے کارہائے نمایاں کو سامنے رکھتے ہوئے موصوف کو اس قسم کی باتوں کی اجازت مل جانی چاہیے۔۔۔ اس لیے ضروری ہے کہ خطیبِ مذکور کے متنازع جملوں میں موجود ظلمتوں کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تاکہ بے ادبی کی شدت واضح ہو سکے۔

خطیبِ مذکور کے متنازع جملوں کو بنظرِ غائر ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان متنازع جملوں میں خطیبِ مذکور نے:

1) جگر گوشۂ رسول ﷺ کی جانب
2) خاص موقع سے متعلق
3) بطورِ مقابلہ
4) جانبِ مقابل کا دفاع کرتے ہوئے
5) مجمع عام میں

6) بر سرِ منبر

7) انتہائی بھونڈے انداز میں

8) بلا قید

9) خلافِ واقع

10) وقوعِ خطا و غلطی کی نسبت کا

11) تکرار کیا ہے۔

کسی بھی بڑی شخصیت کی جانب غلطی کی نسبت کسی قدر سوءِ ادب سے خالی نہیں ہوتی۔امام علاء الدین بخاری نے امام بزدوی رحمہ اللہ تعالی کی کلام کی شرح میں فرمایا

وفیہ نسبۃ الخطا ۔۔۔ وفیہ سوء ادب

اس میں خطا کی نسبت پائی جا رہی ہے جس میں بے ادبی ہے۔

البتہ اگر ایسا ضروری ہو تو اس کے لیے ایسا اسلوب اپنایا جاتا ہے جس سے سوءِ ادب کے بغیر مقصود حاصل ہو جائے۔لیکن خطیبِ مذکور کی گفتگو میں جن "گیارہ" امور کی نشاندہی کی گئی ہے، ان امور نے بے ادبی کی شدت میں اضافہ کر دیا ہے۔

امرِ اول:

" جگر گوشۂ مصطفی ﷺ کی جانب نسبتِ وقوعِ خطا"

سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا و ارضاھا کی جانب خطا کی نسبت کو معمولی سمجھنے والے فرقِ مراتب سے غافل ہیں، حالانکہ علماء فرماتے ہیں؎

گر فرقِ مراتب نکنی زندیقی

اگر تم مراتب کا فرق ملحوظ نہ رکھو گے تو نری بے دینی ہے۔

سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا عام مجتہدہ یا محض صحابیہ یا عامہ اہلبیت سے نہیں، بلکہ آپ طبقہ اعاظم صدیقین سے ہیں۔ اور یہ نفوسِ عالیہ درجۂ عصمت کو تو نہیں پہنچتے لیکن اللہ کریم جل وعلا "امکانِ وقوعی" کے باوجود انہیں "خطا و سہو" سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ سطورِ بالا میں امامِ اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ کی گفتگو گزری آپ نے فرمایا:

درجہ چہارم: ہر قسم حکایت بے محکی عنہ کے تعمد سے اجتناب کلی کرے اگرچہ برائے سہو و خطا حکایت خلاف واقع کا وقوع ہوتا ہو یہ درجہ خاص اولیاء اللہ کا ہے۔

درجہ پنجم: اللہ عزوجل سہوا و خطاً بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان وقوعی باقی ہو یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے۔(25)

خطیبِ مذکور اور اس کے حامیوں کا اصرار ہے کہ جو لوگ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کو خطا سے منزہ سمجھتے ہیں، وہ آپ رضی اللہ تعالی عنہا کو معصومہ گردانتے ہیں۔۔۔

حاش للہ!

انبیاء وملائکہ علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کے علاوہ ہرگز کسی فردِ امت کو معصوم نہیں سمجھا جارہا، لیکن نصِّ قرآنی "وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ" (اور تم میں سے بعض کے درجات کو دوسروں سے بلند کیا) کے بموجب افرادِ امت کے فرق کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ اعاظم صدیقین کو عام افراد کی طرح سمجھنا بے دینی ہے۔ عام آدمی دن رات گناہ کرتا ہے، لیکن سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی ذاتِ والا کو دیکھیے، آپ کی طرف خطا کی نسبت بھی رب جل وعز کو پسند نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا

---

(25):(فتاوی رضویہ 15/353)

ارشادِ گرامی ہے:

يا عمر، إن الله يكره أن يخطئ أبو بكر(26)

اے عمر!

ابو بکر کی خطا اللہ کو پسند نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے چند صحابہ کو مشاورت کے لیے بلایا۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیق، جنابِ عمر، سیدنا عثمان، حضرت علی، جنابِ معاذ وغیر ھم تھے۔ جب حضرت معاذ سے آپ کی رائے پوچھی گئی تو آپ نے عرض کی:

أرى ما قال أبو بكر

میری رائے وہ ہے جو جنابِ ابو بکر صدیق نے فرمایا۔

یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

إن الله يكره فوق سمائه أن يُخَطَّأَ أبو بكر (27)

اللہ جل وعلا کو آسمان کے اوپر بھی یہ بات پسند نہیں کہ ابو بکر صدیق کی جانب خطا کی نسبت کی جائے۔

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ تعالی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا

أَي يكره أَن ينْسب إِلَى الخطا(28)

یعنی اللہ جل وعز کو جنابِ ابو بکر صدیق کی خطا کی جانب نسبت ناپسند ہے۔

---

(26):(المعجم الاوسط حدیث3949)

(27):(المسند للشاشی 1341، المعجم الکبیر للطبرانی124، مسند الشامیین للطبرانی668، 2247، شرح مذاہب اہل السنۃ لابن شاہین108، فضائل الخلفاء الراشدین لابی نعیم43، الحجۃ فی بیان المحجۃ450)

(28):(التیسیر بشرح الجامع الصغیر1/277)

فیض القدیر کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

أي يكره أن ينسبه أحد من الأمة إلى الخطأ(29)

یعنی اللہ جل وعز کو ناپسند ہے کہ امت میں سے کوئی شخص ابو بکر صدیق کی خطا کی جانب نسبت کرے۔

عزیزی کہتے ہیں:

أي يكره أن ينسب إليه الخطأ(30)

یعنی اللہ جل وعز کو پسند نہیں کہ جنابِ ابوبکر صدیق کی جانب خطا کی نسبت کی جائے۔

اور صرف جنابِ ابو بکر صدیق ہی نہیں،اس سے ملتا جلتا معاملہ حضرت عمرِ فاروق وجنابِ حیدرِ کرار کے ساتھ بھی تھا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إن الله وضع الحق على لسان عمر يقول به(31)

اللہ جل وعلانے عمرِ فاروق کی زبان پہ حق رکھ دیاہے، آپ اسی کے مطابق گفتگو فرماتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے:

إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه(32)

بے شک اللہ جل وعزنے عمرِ فاروق کے دل وزبان پہ حق ڈال دیاہے۔

جنابِ حیدرِ کرار مولا علی مشکل کشا شیر خدا کرم اللہ تعالی وجہ الکریم کے بارے میں

---

(29):(فیض القدیر2/315)

(30):(السراج المنیر2/16)

(31):(سنن ابن ماجہ1/108،المستدرک3/87)

(32):(مسند احمد2/401،مسند بزار9/66)

فرمایا:

الحق مع علی حیث کان(33)

حق علی کے ساتھ ہے، علی جہاں بھی ہوں۔

گو یہ الفاظ جنابِ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں فرمائے گئے الفاظ کی مانند صریح تو نہیں لیکن اہلِ عقل سے مخفی نہیں کہ"جعل ووضعِ حق اور معیتِ حق کو عدمِ خطا لازم"

اور میری دانست میں:

"ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم"(34)

یعنی جنابِ عثمان کو آج کے بعد ان کاکوئی عمل نقصان نہ دے گا۔

بھی اسی قوت میں ہے۔

سنی بھائیو!

للہ انصاف!

کیاجنابِ صدیقِ اکبر سیدناابو بکر صدیق کو معصوم کہاجارہاہے؟

کیاجنابِ عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کو انبیاء کے برابر گر داناجارہاہے؟

حاش للہ ثم حاش للہ!

یہ محض مرتبہ صدیقیت کا بیان ہے، جو عام اولیاء کے مراتب سے کہیں برتر اور بالا اور اس مرتبہ کے فائزین"خصائص و ملزومات نبوت" کے علاوہ ہر کمال وخوبی کے اہل ہوتے

---

(33):(مسند بزار3282)

(34):(جامع ترمذی3701)

ہیں۔اس کے اور مرتبۂ نبوت کے بیچ صرف ایک ہی مقام ہوتا ہے جسے"مقامِ قربۃ" کہا جاتا ہے۔مقامِ قربت صدیقیت سے فوق اور نبوت سے نیچے ہوتا ہے۔اعلیحضرت فرماتے ہیں

صدیقیت ایک مرتبہ تلو نبوت ہے کہ اس کے اور نبوت کے بیچ میں کوئی مرتبہ نہیں مگر ایک مقام ادق واخفی کہ نصیبہ حضرت صدیق اکبر اکرم واتقی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے تو اجناس وانواع واصناف فضائل وکمالات وبلندی درجات میں خصائص و ملزومات نبوت کے سوا صدیقین ہر عطیہ بہیہ کے لائق واہل ہیں اگرچہ باہم ان میں تفاوت و تفاضل کثیر و وافر ہو۔(35)

بلا شبہ اکابر صحابہ کرام مقامِ صدیقیت پہ فائز تھے۔اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقامِ صدیقیت کے ساتھ ساتھ مقامِ قربت بھی حاصل، شیخ محیی الدین ابنِ عربی فرماتے ہیں:

وهذا المقام الذي أثبتناه بين الصديقية ونبوة التشريع الذي هو مقام القربة وهو للأفراد هو دون نبوة التشريع في المنزلة عند الله وفوق الصديقية في المنزلة عند الله وهو المشار إليه بالسر الذي وقر في صدر أبي بكر ففضل به الصديقين إذحصل له ماليس من شرط الصديقية ولا من لوازمها فليس بين أبي بكر ورسول الله صلى الله عليه وسلم رجل لانه صاحب صديقية وصاحب سر (36)

اور یہ مقام جسے ہم نے صدیقیت اور نبوتِ تشریع کے درمیان ثابت کیا ہے وہ مقامِ قربت ہے۔اور وہ افراد کے لیے ہے۔وہ اللہ جل وعز کے ہاں درجہ میں نبوتِ تشریع سے نیچے اور

---

(35):(فتاوی رضویہ 15/674)

(36):(الفتوحات المکیۃ 2/488)

اللہ تعالیٰ کے دربار میں صدیقیت سے اوپر ہے۔ اور وہ وہی ہے جس کی جانب "سِرّ" کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے جو جنابِ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں جاگزیں ہوا۔ پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیقین سے افضل ہو گئے، کیونکہ آپ کو وہ حاصل ہو گیا جو نہ تو صدیقیت کے شرط سے ہے اور نہ ہی اس کے لوازم سے۔ پس جنابِ سیدنا ابو بکر صدیق اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کوئی مرد نہیں۔ کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبِ صدیقیت ہیں اور صاحبِ "سِرّ" ہیں۔

بہر حال بات مرتبہء صدیقیت کی ہو رہی تھی۔ تو مرتبہ صدیقیت وہ عظیم مقام ہے جہاں صدیقین ان کمالات وخصائل وفضائل کے اہل ہو جاتے ہیں، جو انبیاءِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کے حصے میں آتے ہیں، سوائے ملزومات وخصائصِ نبوت کے۔ تو جیسے انبیاءِ کرام خطا سے پاک، یونہی صدیقین بھی اس مقام کے اہل ہو جاتے ہیں، پھر صدیقین کو عامۃ الناس پر یا عام اولیاء پر قیاس کرنا سراسر زیادتی اور نادانی ہے۔

اہم نکتہ:

ابنِ عربی رحمہ اللہ تعالی نے جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے مقام قربت کے بیان میں آپ کو "صاحبِ سر" کہا اور فرمایا: " فليس بين أبي بكر ورسول الله صلى الله عليه وسلم رجل "یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے درمیان کوئی اور "مرد" نہ تھا۔

اگر "رجل" کی تعبیر اتفاقی قرار دی جائے تو یہ ان حضرات کی رائے کی جانب اشارہ ہو گا جو "سر" کے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے بلا واسطہ جنابِ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف انتقال کے قائل ہیں۔ اور اگر "رجل" سے تعبیر احترازی ہو تو اب یہ حصر اضافی باعتبار رجال کے ہو گا، اور ان حضرات کی رائے کی طرف اشارہ بنے گا جو اس "سر" کے اولاً سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب، بعد ازاں جنابِ سیدنا ابو بکر صدیق کی جانب انتقال مانتے ہیں۔ الدر النفیس والنور الانیس میں ہے:

قلت: وعند الصوفية ان السر كان مستودعا بعد وفاة النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى فاطمة فلما توفيت تلقاها منها ابو بكر رضى الله تعالى عنه(37)

میں کہتا ہوں:

صوفیہ کے نزدیک "سِرّ" نبی ﷺ کے وصال کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا میں ودیعت رہا۔ پھر جب آپ رضی اللہ تعالی عنہا کا وصال ہوا تو آپ رضی اللہ تعالی عنہا سے

---

(37):(الدر النفیس والنور الانیس 1/ 259)

جنابِ ابو بکر صدیق نے تلقی فرمائی۔

اسی بات کو علامہ زرقانی نے بیان کرتے ہوئے کہا:

وذهب بعض الصوفية إلى أن أول من تقطب بعده ابنته فاطمة رضى الله تعالى عنها وارضاها(38)

اور بعض صوفیاء اس طرف گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ذاتِ والا کے بعد سب سے پہلے قطبیت کا مقام آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو ملا۔

علامہ عبد الرؤف مناوی نے امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ کے ترجمہ میں فرمایا

ونختم ترجمته بفائدة غريبة وهى انى رايت فى شرح مقدمة الوصول للشيخ ابراهيم المواهبى رحمه الله تعالى نقلا عن شيخه العارف ابى المواهب التونسى رضى الله تعالى عنه : ان اول من تلقى القطبانية من المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم فاطمة الزهراء مدة حياتها ثم انتقلت منها الى ابى بكر ثم الى عمر ثم الى عثمان ثم الى على ثم الحسن رضى الله تعالى عنهم اجمعين۔(39)

ہم آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا ترجمہ ایک فائدہ غریبہ پہ ختم کرتے ہیں، اور وہ فائدہ یہ کہ میں نے شیخ ابراہیم مواہبی کی "شرح مقدمۃ الوصول" میں دیکھا، جسے انہوں نے اپنے شیخ

---

(38):(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیۃ 7/479)

(39):(الکواکب الدریۃ فی تراجم السادۃ الصوفیۃ 1/142)

عارف باللہ ابو المواھب تونسی سے نقل کیا:
رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سب سے پہلے قطبیت کو قبول فرمانے والی سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا ہیں۔ اپنی حیات کی مدت تک۔ پھر آپ رضی اللہ تعالی عنہا سے قطبیت جنابِ ابو بکر صدیق، پھر جنابِ عمرِ فاروق، پھر جنابِ عثمانِ ذو النورین، پھر جنابِ علی المرتضی، پھر جنابِ حسن مجتبی کی جانب منتقل ہوئی۔
یہی گفتگو علامہ شیخ علی اجھوری کے حوالے سے الدر النفیس میں نقل کی۔(40)
اسی طرح کی گفتگو علامہ ابو علی حسن بن عمر مزورنے"شفاء السقیم بمولد النبی الکریم" میں ذکر کی۔(41)
علامہ ابنِ عابدین شامی فرماتے ہیں:
وذهب التونسى من الصوفية الى ان اول من تقطب بعده صلى الله تعالى عليه وسلم ابنته فاطمة(41)
صوفیاء میں سے ابو المواھب تونسی اس جانب گئے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے مقامِ قطبیت آپ ﷺ کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ زہراء کو ملا۔
جلاء القلوب میں ہے:
قلت: والذى قال بان فاطمة اول من تقطب بعده صلى الله تعالى عليه وسلم العارف بالله الاستاذ صفى الدين ابو المواهب التونسى نقل ذلك عنه الشيخ على الاجهورى فى فضائل عاشوراء وغير واحد وفى جواهر

---

(40):(الدر النفیس والنور الانیس 1/259،260)
(41):(مجموع لطیف انسی فی صیغ المولد النبی القدسی ص130)
(42):(رسائل ابن عابدین 2/265)

المعانی نقلا عن شیخه ابی العباس احمد التیجانی :
ان جماعة من العارفین اجمعوا علی هذا قال من طریق الکشف لا من طریق السمع

وفی نظم عقود الفاتحة لسیدی حمدون بن الحاج السلمی المرداسی:
خصت بها دون سائر النساء لان صینت من الطمث صوما غیر
واشار بقوله "خصت بها" الی ما ذکروه من ان هذه المرتبة لا تکون الا للکمل من الرجال المتاہلین لحمل الاثقال لانها مقام خلافة عن الرسول صلی الله تعالی علیه وسلم ولا تکون للنساء لانهن بمعزل عن الولایات الظاهرة القاصرة فمن باب اولی قصورهن عن الاحکام العلیة الفاخرة واستثنی بعضهم من هذا فاطمة رضی الله تعالی عنہا فقال: انها اول من تلقی القطبانیة عن ابیها مدة حیاتها ثم بعدها انتقلت الی الخلفاء الاربعة علی ترتیبهم ثم الحسن ۔ قال: ومن ثم لم تحض فیکون هذا من خصائصها ۔
وبه استدل بعضهم انها افضل من عائشة قال: لان القطب سید اہل زمانه بدلیل: "ان اکرمکم عند الله اتقاکم" ولیس فی خلق الله کلہم عموما واطلاقا من بعد الانبیاء والمرسلین والملائکة المقربین من یاتی فیه ان یصل الی مقدار جزء من الف جزء من تقوی قطب الاقطاب ولو بلغ ما بلغ فهو افضل جماعة المسلمین عموما فی کل عصره(42)
میں کہتا ہوں: وہ شخصیت جنہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے مقام قطبیت سیدہ فاطمہ زہراء کو نصیب ہوا، وہ عارف باللہ استاذ صفی الدین ابو المواہب تونسی ہیں۔ آپ سے یہ گفتگو شیخ علی اجہوری نے فضائل عاشوراء میں اور کئی ایک اور نے بھی

(42): (جلاء القلوب من الاصداء الغینیۃ 2/ 265،266)

نقل کی۔ اور جواہر المعانی میں اپنے شیخ ابو العباس احمد تیجانی سے نقل کرتے ہوئے ہے
عارفین کی ایک جماعت کا اس پہ اجماع ہے۔ آپ نے یہ بات بطورِ کشف کی ہے نہ کہ کسی
سے سن کر۔

سیدی حمدون بن الحاج سلمی مرداسی کی" نظم عقود الفاتحۃ" میں ہے:

سیدہ فاطمہ زہراء کو یہ خصوصیت ملی، نہ کہ کسی دوسری عورت کو۔ کیونکہ آپ رضی اللہ
تعالی عنہا کو عوارضِ نسوانی سے محفوظ رکھا گیا۔

(اس کی شرح میں فرمایا کہ:) آپ نے اپنے قول "سیدہ فاطمہ زہراء کو یہ خصوصیت نصیب
ہوئی" سے اُس بات کی طرف اشارہ کیا جس کا صوفیاء نے ذکر کیا کہ یہ مرتبہ صرف کامل
مردوں کے لیے ہوتا ہے جو بوجھ اٹھانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ
سے مقامِ خلافت ہے اور عورتوں کے لیے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عورتیں ایسی ولایاتِ ظاہرہ
جن میں قصور ہوتا ہے، ان سے بھی الگ ہوتی ہیں۔ پس ان کا بلند ترین قابلِ فخر احکام سے
کوتاہ ہونا تو بطریقِ اولی ہے۔

اور بعض صوفیاء نے اس ضابطہ سے سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کو مستثنی کیا اور کہا
سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا پہلی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے والدِ گرامی ﷺ
سے مقامِ قطبیت وصول کیا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالی عنہا کے بعد قطبیت خلفاءِ اربعہ کی
جانب ان کی ترتیب کے مطابق منتقل ہوئی، پھر جنابِ حسنِ مجتبی کی جانب۔

فرمایا: یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہا نسوانی عوارض سے پاک تھیں، پس یہ آپ
رضی اللہ تعالی عنہا کے خصائص سے ہوا۔

اسی سے بعض نے دلیل پکڑی کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی

عنہا سے افضل ہیں۔ فرمایا:

کیونکہ قطب اہلِ زمانہ کا سردار ہوتا ہے۔ جس کی دلیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت دار وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

اور انبیاءِ کرام، مرسلینِ عظام اور فرشتوں کے بعد اللہ جل وعلا کی ساری کی ساری مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو قطب الاقطاب کے تقوی کے ہزارویں حصے کو بھی پہنچ سکے۔ چاہے وہ کسی بھی مقام پہ پہنچا ہوا ہو۔ پس قطب ہر دور میں پوری جماعتِ مسلمین سے افضل ہوتا ہے۔

یونہی شیخ حسین حلاب اپنے والد سے راوی، انہوں نے سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں کہا:

انها اول من نال مقام الغوثية بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم(43)

سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد مقامِ غوثیت کو پایا۔

بنابریں:

سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقامِ صدیقیت کے ساتھ ساتھ صاحبۂ سر بھی ہوئیں۔ اور اس مرتبہ کے حاملین کی بابت اعلیحضرت رحمہ اللہ کی تصریح سن چکے کہ باوجود امکان وقوعی کے، اللہ جل وعز انہیں خطا وسہو سے محفوظ رکھتا ہے، بلکہ حدیث کے مطابق "نسبتِ خطا" تک کو ناپسند فرماتا ہے۔۔۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس درجہ کے حاملین کی جانب نسبتِ خطا میں کوئی حرج نہیں؟؟؟

---

(43):(فتح الوھاب فی سیرۃ ومناقب واحوال الشیخ محمد رمضان الحلاب ص306)

فقط صدیقۂ عظمیٰ نہیں، بلکہ بضعۂ رسول ﷺ:

بات اگر فقط صدیقۂ عظمیٰ کی ہوتی تو جب بھی نسبتِ خطا معمولی نہ تھی۔ لیکن یہاں بات اس ذاتِ والا کی ہے جن کی بابت رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

فاطمة بضعة مني ، فمن أغضبها أغضبني(44)

فاطمہ میرے بدن کا حصہ ہے تو جس نے اسے غضب ناک کیا اس نے مجھے غضب ناک کیا۔

ومعلوم أنه ما أراد ﷺ به بيان الخلقة فقط ، لأنه عليه الصلاة والسلام لم يبعث لذلك ، مع انه لا خصوصية فيه لسيدة النساء رضى الله تعالى عنها ، بل اراد بيان الحكم فلذا قال: فمن أغضبها أغضبني والله عز اسمه اعلم

اس سلسلے میں خلاصۂ بحث یہ ہے کہ:

کل کی صفات کا ہر جزء کے لیے تحقق ضروری نہیں البتہ اجزاء کے منسوبات" عمومی طور پر" کل کا منسوب بنتے ہیں۔ اور ما نحن فیہ میں بالخصوص وہ منسوبات جو بابِ ایذاء یا بابِ اکرام سے ہوں، وہ جب جانبِ جزء منسوب ہوں گے تو جانبِ کل بھی منسوب ہوں گے۔ اور ان میں سے بھی اخصیت ان امور کو حاصل جو بابِ ایذاء سے ہیں، کہ حدیث ایسے ہی موقع پر وارد ہوئی۔اور فرامینِ مصطفیٰ ﷺ:

- ♥ "من أغضبها أغضبني" (جس نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو غضب ناک کیا اس نے مجھے غضب ناک کیا)
- ♥ "يؤذيني ما آذاها" (جس چیز نے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو تکلیف دی وہ مجھے تکلیف دیتی ہے۔)

---

(44):(صحیح بخاری3767)

- "ينصبني ما أنصبها" (جو چیز فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو مشقت میں ڈالتی ہے وہ مجھے مشقت میں ڈالتی ہے۔)
- "يريبني ما أرابها" (جو چیز فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو شک ووہم میں ڈالتی ہے وہ مجھے شک ووہم میں ڈالتی ہے۔)
- "يقبضني ما يقبضها" (جو چیز فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے تنگی کا باعث بنتی ہے وہ میرے لیے تنگی کا سبب بنتی ہے۔)
- "يبسطني ما يبسطها" (جو چیز فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے وسعت کا سبب بنتی ہے وہ میرے لیے وسعت کا باعث بنتی ہے۔)

میں سے ہر ایک اسی مطلب کا ترجمان۔۔۔اور بعض بابِ ایذاء کی جانب مشیر جبکہ بعض بابِ اکرام کے مشعر۔۔۔

- ابو لبابہ رضی اللہ تعالی عنہ کا اپنے آپ کو باندھ کر قسم کھانا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سوا کوئی انہیں نہ کھولے گا پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے کھولنے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا'فاطمة بضعة مني" (یعنی فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے) فرما کر کھولنے کی اجازت دینا(45) اور قسم کا نہ ٹوٹنا"حَلِّ منسوب الى السيدة"کے"منسوب الى الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم "ہونے کی دلیلِ بیّن۔۔۔!!!

---

(45): اتحاف الزائر لابی الیمن1/ 101، الاحکام الوسطی لابن الخراط4/ 35، الروض الانف2/ 278، سبل الھدی والرشاد5/ 9)

♥ ابناءِ سیدہ فاطمہ کی بابت فرمانا:

هذان ابناي

یعنی: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔۔۔

اسی لطیف رمز کی طرف اشارہ ہے۔

پس مطلب یہی بنتا ہے کہ:

جس چیز کی نسبت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب ہے، اس کی نسبت عمومی طور پر سید الرسل ﷺ کی جانب ہو گی۔ اور اگر وہ منسوب "بابِ ایذاء یا بابِ اکرام" سے ہو تو اب بہر حال وہ منسوبِ سیدۃ النساء ہونے کے باعث حکما منسوبِ مصطفی ﷺ بنے گا۔

یہیں سے سہیلی نے استدلال کیا اور فرمایا

فهذا حديث يدل على أن من سبها فقد كفر وأن من صلى عليها، فقد صلى على أبيها - صلى الله عليه وسلم – (46)

پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو گالی دی اس نے کفر کیا۔ اور اس بات پر بھی کہ جس نے آپ رضی اللہ تعالی عنہا پر درود بھیجا، اس نے آپ رضی اللہ تعالی عنہا کے والدِ گرامی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پہ درود بھیجا۔

یعنی چونکہ جس امر کی نسبت سیدہ فاطمہ کی جانب ہو گی حکما اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جانب ہو گی، پس جب "گالی" کی نسبت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب کی جائے گی تو حکما وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب ٹھہرے گی۔۔۔ اور جس بے ادبی کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف ہو اس کے کفر ہونے میں شک نہیں۔ لہذا سیدہ فاطمہ کو گالی دینے والا بھی کافر ہو جائے گا۔

---

(46):(الروض الانف 6/228)

یونہی وہ درود جس کی نسبت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب ہو گی، وہ در حقیقت رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب قرار پائے گا۔۔۔!!!

فائدہ:

سہیلی رحمہ اللہ تعالی کا مقصد افادۂ حصر نہیں بلکہ پہلا جملہ "بابِ ایذاء" کی طرف مُشیر اور شاید اس کی تقدیم کا باعث اسی "اخصیت" کی طرف اشارہ جس پر ہم نے سطورِ بالا میں تنبیہ کی۔ اور دوسرا جملہ بابِ اکرام و تعظیم کی طرف اشارہ کے لیے بولا گیا فافہم

سہیلی رحمہ اللہ کے اس استدلال کو فتح الباری، ارشاد الساری، شرح زرقانی وغیرہا میں بھی ذکر کیا۔(47)

اور علامہ بدر الدین عینی نے فرمایا:

واستدل به البيهقي على أن: من سبها فإنه يكفر(48)

اور اس سے بیہقی رحمہ اللہ نے اس بات پہ دلیل پکڑی کہ جس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو برا بھلا کہا اس نے کفر کیا۔

اور شیخِ محقق نے فرمایا:

وسبکی استدلال کردہ است بایں کہ ہر کہ دشنام کند فاطمہ را کافر شود(49)

اور امام سبکی نے اس سے یہ دلیل پکڑی کہ جو شخص سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو گالی دے وہ کافر ہو جائے گا۔

---

(47):(فتح الباری7/105، ارشاد الساری6/141، شرح الزرقانی علی المواھب4/335)

(48):(عمدۃ القاری16/249)

(49):(اشعۃ اللمعات4/380)

حافظ ابنِ حجر جنابِ سہیلی کی کلام کی توجیہ میں فرماتے ہیں:
وتوجیہه أنها تغضب ممن سبها وقد سوی بین غضبها وغضبه ومن أغضبه صلی الله علیه وسلم یکفر(50)
اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ: سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا اس شخص سے غضب ناک ہوتی ہیں جو آپ کی شان میں گستاخی کرے۔ اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اور اپنے غضب کو برابر قرار دیا، اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو غضب ناک کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔
امام ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالی کی "توجیه بالتسویه" سے زیادہ مناسب وہ وجہ معلوم ہوتی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔اور وہ الفاظِ حدیث کے قریب تر ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ مواضع پہ منطبق ہے۔والله عز اسمه اعلم
بہر حال سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بارے میں اس فرمانِ گرامی کے پیشِ نظر:
امتِ مسلمہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے منسوبات کو "عمومی طور پر" رسول اللہ ﷺ کے منسوبات گردانا۔
یہی وجہ ہے کہ جب مامون کے پاس دو لوگ لائے گئے، جن میں سے ایک نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی گستاخی کی تھی جبکہ دوسرے نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی۔ مامون نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے گستاخ کو قتل تو نہ کیا، لیکن سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے گستاخ کو قتل کر دیا۔
اس کی وجہ یہ نہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی گستخی معمولی بات ہے۔ اس

(50):(فتح الباری7/105)

کی وجہ وہی جسے ہم نے بیان کیا کہ:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بے ادبی وگستاخی حکما سید الرسل ﷺ کی بے ادبی وگستاخی ہے۔ اور سید الرسل صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بے ادب کی سزا قتل ہے، لہذا مامون نے سیدہ فاطمہ کی بے ادبی کرنے والے کو قتل کروادیا۔

اسماعیل بن اسحاق کہتے ہیں:

أتى المأمون بالرقة برجلين شتم أحدهما فاطمة والآخر عائشة فأمر بقتل الذي شتم فاطمة وترك الآخر (51)

مامون کے پاس رقہ میں دو شخص لائے گئے، جن میں سے ایک نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو گالی بکی تھی، جبکہ دوسرے نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کو۔ تو مامون نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا جس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو گالی بکی تھی اور دوسرے کو قتل نہ کیا۔

گو جنابِ اسماعیل بن اسحاق کی رائے تھی کہ جو سیدہ عائشہ کو گالی دے اسے بھی قتل کیا جائے، اور یہی رائے استغاثہ میں ذکر کرتے ہوئے کہا

ولقد بالغ السلف في الاحتياط بجنابه - صلى الله عليه وسلم - حتى أفتى بعضهم بأن من سب فاطمة أو عائشة أنه يقتل(52)

بزرگوں نے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جنابِ اقدس سے متعلق احتیاط میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ حتی کہ بعض نے یہ فتوی دیا کہ جو شخص سیدہ فاطمہ یا سیدہ عائشہ کو گالی بکے، اسے قتل

---

(51):(شرح اصول الاعتقاد2396، المعجم لعبد الخالق بن اسد الحنفی153، السیف المسلول علی من سب الرسول ص419، الصارم المسلول ص566)

(52):(الاستغاثہ ص392)

کر دیا جائے۔

چونکہ جس چیز کی نسبت سیدہ فاطمہ کی طرف ہو گی وہ حکما سید الرسل ﷺ کی جانب منسوب ہو گی، بالخصوص اس وقت جبکہ وہ بابِ ایذاء سے ہو۔۔لہذا علماء اسلام کا فیصلہ ہے کہ:

ہر وہ مباح جو سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے باعثِ اذیت ہو، چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے باعثِ اذیت ہے لہذا وفی نفسہ مباح ہو کر بھی حرام ہے۔۔۔۔

ونظم القياس هكذا: ان ما يؤذى السيدة فاطمة فهو يؤذى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وما يؤذى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فهو حرام وان كان اصله مباحا ، فما يؤذى السيدة فاطمة فهو حرام وان كان اصله مباحا والصغرى منصوصة عليها كما قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "يريبني ما رابها ويؤذيني ما آذاها" والكبرى نص عليها جم من شارحى الحديث كالنووى والعينى والطيبى والقارى رحمهم الله تعالى ، ونص بعضهم كالتالى:

قال العلماء : في هذا الحديث تحريم إيذاء النبي صلى الله عليه وسلم بكل حال وعلى كل وجه وإن تولد ذلك الإيذاء مما كان أصله مباحا وهو حي وهذا بخلاف غيره قالوا وقد أعلم صلى الله عليه وسلم بإباحة نكاح بنت أبي جهل لعلي بقوله صلى الله عليه وسلم لست أحرم حلالا ولكن نهى عن الجمع بينهما لعلتين منصوصتين إحداهما أن ذلك يؤدي إلى أذى فاطمة فيتأذى حينئذ النبي صلى الله عليه وسلم فيهلك من أذاه فنهى عن ذلك لكمال شفقته على علي وعلى فاطمة والثانية خوف الفتنة عليها

بسبب الغيرة(53)

سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے معاملہ کو معمولی سمجھ کر دیگر افرادِ امت کے معاملے پر قیاس کرنے والوں کو سطورِ بالا میں مذکور حدیث کے ساتھ ساتھ ان کلماتِ علماء کو بھی بیدار مغزی سے ملاحظہ کرنا چاہیے۔

اسلام نے مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی، لیکن یہ مباح سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اذیت کا باعث بنتا۔۔۔ سیدہ فاطمہ کی تکلیف رسول اللہ ﷺ کی تکلیف، اور جس کام سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہو وہ اپنی ذات میں مباح ہو جب بھی اس عارضہ کی وجہ سے حرام۔۔۔

لہذا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ، باوجودیکہ سردارانِ اولیاء سے ہیں، اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے بعد ساری انسانیت سے افضل واعلی۔ لیکن یہ مباح آپ کے لیے مباح نہ رہا، حرام ہو گیا۔۔۔ کیونکہ اس سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچتی۔۔۔ اور کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دے۔۔۔

علماء کا قول گزرا:أن ذلك يؤدي إلى أذى فاطمة فيتأذى حينئذ النبي صلى الله عليه وسلم فيهلك من أذاه

حضرت علی کا کسی دوسری عورت سے نکاح سیدہ فاطمہ کی تکلیف کاباعث بنتا، جس سے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی، تو حضرت علی رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے کی وجہ سے "ہلا " ہو جاتے۔

---

(53):(شرح النووی علی صحیح مسلم16/ 2، 3، عمدۃ القاری 15/34، الکاشف عن حقائق السنن 12/3903، مرقاۃ المفاتیح9/3966، شرح سنن ابن ماجہ ص144)

سنیو!!!

بگوشِ ہوش سنیو!!!

یہ کَلّا " جسے تباہی وبربادی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، ایسے بھاری بھر کم الفاظ کسی عام شخص کے لیے نہیں، جنابِ فاتحِ خیبر حیدرِ کرار مولا علی مشکل کشا شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے کہے جا رہے ہیں۔ اور معاذاللہ کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے نہیں، ایک مباح، ایسا مباح جس کی اباحت پہ نصِ قرآنی ناطق۔۔۔ لیکن جب وہ مباح سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تکلیف کا باعث بنا جو جگر گوشۂ رسول ﷺ ہیں، جن کی تکلیف رسول اللہ ﷺ کی تکلیف کا باعث تو اب وہ مباح حضرت علی کے لیے حرام اور علماء نے اس حالت کو "ہلاکت، تباہی وبربادی" سے تعبیر کیا۔۔۔

مسلمانو خدارا انصاف!!!

اگر وہ مباح جس کی اباحت پہ نصِ قرآنی ناطق، جب ایذاءِ سیدۃ النساء کا باعث بنے تو حضرت علی، جو رشتۂ ازدواج کے باعث سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے واجبِ احترام واکرام، لیکن وہ مباح ان کے لیے بھی حرام اور بقولِ علماء باعثِ ہلاکت۔۔۔

تو بتایئے کہ:

وہ نسبتِ "خطا"، جس کے جواز پہ کسی طرح کی نص بھی موجود نہیں، یقینا وہ "نسبت" ایذاءِ سیدۃ النساء کا باعث بھی ہے۔ پھر ایک عام انسان جو کسی لحاظ سے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے واجبِ احترام بھی نہیں، کیا وہ نسبت حرام نہ ہو گی؟؟؟ کیا وہ نسبت ہلاکت کا موجِب نہ بنے گی؟؟؟

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ؟؟؟

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اس خصوصیت کے پیشِ نظر علمائے اسلام نے قیامت تک کے اہلِ ایمان کو سمجھانے کی غرض سے ایک ضابطہ مقرر کر دیا کہ:

إن كل من وقع منهم في حق فاطمة شيء فتأذت به، فالنبي صلى الله عليه وسلم يتأذى به(54)

ہر وہ شخص جس سے سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حق میں کوئی بھی ایسی چیز پائی گئی جو آپ رضی اللہ تعالی عنہا کی اذیت کا باعث بنے تو وہ چیز نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تکلیف کا باعث بنتی ہے۔

مسلمانو خدارا انصاف!!!

خطیبِ مذکور نے جس بھونڈے انداز میں جگر گوشۂ مصطفی ﷺ کی جانب مجمع عام میں بر سرِ منبر بلا قید خلافِ واقع وقوعِ خطا و غلطی کی نسبت کا تکرار کیا۔

کیا اس سے سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کو تکلیف نہ پہنچی ہو گی؟؟؟

واللہ تاللہ باللہ!

میں نے خطیبِ مذکور کی رسوائے زمانہ گفتگو سن کر ساداتِ کرام کو پھوٹ پھوٹ کر روتے، تڑپتے، بلکتے دیکھا۔۔۔ خطا کی نسبت کسی بھی تاویل سے ہو وہ قصور اور کوتاہی سے استعارہ ہے، پھر اس کی نسبت سے منسوب الیہا کے قلب پہ گرانی کیسے نہ ہو گی؟؟؟ اور جب منسوب الیہا رضی اللہ تعالی عنہا وارضاھا کے قلبِ اقدس پہ گرانی تو آپ رضی اللہ تعالی عنہا کے والدِ گرامی تاجدارِ انبیاء ﷺ کے قلبِ اقدس پہ گرانی۔۔۔ پھر اس نسبت کے حرام ہونے میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے؟؟؟

---

(54):(اتحاف السائل ص57)

خطیبِ مذکور اور اس کے حامی دانستہ یا نادانستہ یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ "انبیاء وملائکہ کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں، پھر خطا کی نسبت میں کیا حرج ہے؟

میرے بھائیو!!!

یقین جانو یہ دھوکا ہے۔۔۔!!!

بات ایک غیر معصوم کی جانب خطا کی نسبت کی نہیں۔۔۔ بات اس ذاتِ والا کی جانب خطا کی نسبت کی ہے ، جس کی جانب نسبت حکماً رسول اللہ ﷺ کی جانب نسبت بنتی ہے۔۔۔یعنی: خطیبِ مذکور نے خطا کی نسبت سیدۃ النساء کی طرف نہیں کی، بلکہ حکمی طور پر خطا کی نسبت سید الرسل ﷺ کی طرف کی۔۔۔!!!

اور اس کی دلیل کے طور پر سطورِ بالا میں فرمانِ مصطفیﷺ سے لے کر کلماتِ ائمہ دین بکثرت گزرے۔

خدارا انصاف!!!

کیا ایسے جملے اللہ کے نبی ﷺ کے لیے بولتا، پھر اجتہادی اور دیگر تاویلیں کرتا تو آپ کا ایمان گوارا کرتا کہ اس کی تاویلیں مان کر اسے اس قسم کی بے ادبیوں کی اجازت مل جانی چاہیئے؟؟؟

یقینا کوئی ایماندار اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔۔۔

پھر خطیبِ مذکور جو سیدہ طیبہ طاہرہ کی طرف بار بار خطا کی نسبت کر رہا ہے، اس کی گفتگو کو معمولی سمجھنا سراسر ظلم وزیادتی نہیں؟ اس کا دفاع کرنا سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ والا سے ناانصافی نہیں؟

سنی بھائیو!

سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے مقام و مرتبہ کی نزاکت کے پیشِ نظر علماءِ اسلام کا سیدۃ النساء کی جانب کسی بات کی نسبت کرنے کا معاملہ ہمیشہ بے نظیر رہا۔ قضیہ مشہورہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها

اسے جب امام شافعی رحمہ اللہ تعالی نے "الام" میں روایت کیا تو سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب نسبت کے معاملے کی نزاکت کے پیشِ نظر آپ کا نامِ نامی ذکر کرنے کے بجائے یہ الفاظ ذکر کیے:

لو سرقت فلانة لامرأة شريفة لقطعت يدها(55)

اگر فلاں عورت، آپ ﷺ نے ایک شَرَف والی خاتون کے بارے میں فرمایا، چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حالانکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جانب سے سید فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا نامِ نامی موجود ہے۔ اور جمہور کا اتفاق ہے کہ باللفظ روایت اولی و احسن ہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ تعالی نے "سرقہ" کی "فرضی نسبت" جو حدیث میں موجود بھی تھی، اس فرضی نسبت کی حکایت کو بھی مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ یہ نسبت بالواسطہ رسول اللہ ﷺ کی جانب بنتی، اس لیے امام شافعی نے روایت بالمعنی کو ترجیح دی۔

ایک بار سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کسی گھر تعزیت کر کے واپس آتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قبرستان جانے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا عرض کرتی ہیں کہ جب آپ نے منع فرمایا تو پھر میں کیسے جا سکتی ہوں۔

---

(55):(الام للشافعی 6/190)

اس موقع پہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

والذي نفسي بيده، لو بلغت معهم الكدى ما رأيت الجنة، حتى يراها جد أبيك

اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، اگر تو ان کے ساتھ قبرستان جاتی تو اس وقت تک تجھے جنت دیکھنا نصیب نہ ہو تا جبتک تمہارے والدِ گرامی کے دادا جنت کو نہ دیکھ لیتے۔

لیکن یہی حدیث جب امام ابو داود کو روایت کرنا پڑتی ہے تو سیدہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب نسبت کے معاملہ کی نزاکت سامنے آ جاتی ہے۔ یہ قضیہ سامنے آ جاتا ہے کہ جب نسبت سیدہ فاطمہ کی جانب ہو گی تو بالواسطہ وہ نسبت رسول اللہ ﷺ کی جانب قرار پائے گی، لہذا امام ابو داود صرف اتنا کہتے ہیں:

لو بلغت معهم الكدى...

اگر تم ان کے ساتھ قبرستان جاتی...

یہ کہہ کر اگلی گفتگو کو حذف کر دیا اور یوں کہہ دیا:

فذكر تشديدا في ذلك(56)

اس بارے میں آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سختی کا ذکر فرمایا۔

ہمارے اکابر جانتے تھے کہ یہ نسبت کسی عام شخصیت کی جانب نہیں، یہ نسبت بضعۂ رسول ﷺ کی جانب ہے جو حکماً رسول اللہ ﷺ کی جانب بنتی ہے، اس لیے احتیاط لازم ہے۔

لیکن آج کے خطباء اور سطحی طبقۂ اہلِ علم کو دیکھیں، سیدہ طیبہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب "خطا" کی نسبت کو بالکل معمولی خیال کر رہے ہیں، بلکہ اس پہ زور دے رہے

(56):(سنن ابی داود 3123)

ہیں۔اور جو اس نسبت کو بے ادبی کہے اس پہ بد عقیدگی کے فتوے لگائے جا رہے ہیں۔
بہر حال حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ:
خطیبِ مذکور نے کسی عام بڑی شخصیت کی جانب خطا کی نسبت کی ہوتی تو وہ بھی بے ادبی بنتی۔
لیکن اس خطیب نے عظیم صحابیہ، اہلِ بیت کے عظیم فرد، صدیقہ عظمی، بضعۂ رسول ﷺ کی جانب خطا کے وقوع کی نسبت کی جو حکماً رسول اللہ ﷺ کی جانب نسبت ہے۔ لہذا یہ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بے ادبی نہیں، در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ایذاء کا موجِب ہے۔ جس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔

امرِ ثانی:

"خاص موقع سے متعلق"

عموم و خصوص کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جن میں عمومی اعتبار سے اتنی سختی نہیں ہوتی لیکن خصوص کے اعتبار سے زیادہ سختی ہوتی ہے۔ مثلاً "خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" (ہر چیز کا خالق) قرآن ہے جبکہ "کل شئ" کو ہٹا کر "القردة والخنازير" (یعنی: بندر اور خنزیر) لگانا بے ادبی بن جاتا ہے۔(57)

یا یوں سمجھیں کہ: آپ اپنے ارد گرد رہنے والے کسی شخص سے پوچھیں کہ کیا وہ غلطی کر سکتا ہے؟، یا کیا اس نے کبھی غلطی کی؟ تو شاید ہی ایسا کوئی شخص ملے جو انکار کرے اور وہ اپنی جانب غلطی کی نسبت میں پس و پیش کا مظاہرہ کرے۔

لیکن اب اسی شخص کو کسی خاص مسئلہ کی بابت کہیں کہ "اس مسئلہ میں آپ نے غلطی کی" یہ سنتے ہی آپ کے مقابل کی طبیعت پر گرانی ہو جائے گی اور لوگوں میں سے 99 فیصد لوگ کسی خاص مسئلہ میں اپنے آپ کو غلط ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اور یہ واضح دلیل ہے کہ عموم و خصوص کے احکام مختلف اور طبیعتوں پر ان کا اثر جدا ہوتا ہے۔

فلہذا: اگر سیدہ طیبہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب عمومی طور پر "خطا" کی نسبت کی جاتی تو اس کا معاملہ اتنا شدید نہ ہوتا جتنا شدید معاملہ خاص قضیہ سے متعلق خطا کی نسبت کا ہے، یہ بے ادبی عمومی "نسبتِ خطا" سے کہیں زیادہ ہے۔

تنبیہ:

مذکورہ بالا نظیریں محض عموم و خصوص کے احکام میں فرق واضح کرنے کے لیے پیش کی گئی ہیں، نہ کہ عمومی خطا کی نسبت کے جواز اور خاص مسئلہ میں منع کے بیان کے لیے۔

---

(57): (البنایۃ 2/186، التفسیر المظہری 3/438)

امر ثالث:

"بطورِ مقابلہ"

فی نفسہ نسبتِ خطا اور بطورِ مقابلہ نسبت میں فرق ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فی نفسہ کوتاہی محض کوتاہی کہلاتی ہے، جبکہ مقابل کے سامنے"کوتاہی" کے ساتھ ساتھ "ہار" بنتی ہے۔ جو احساسِ کمتری کی موجب، جبکہ "فی نفسہ کوتاہی" میں اس احساس کا تحقق ضروری نہیں۔ اس کو یوں سمجھا جائے کہ ستر فیصد کارکردگی دکھانے والے کا کسی سے مقابلہ کروادیا جائے اور وہ نوے فیصد کارکردگی دکھا کر بھی ہار جائے تو اس ہار کا احساس ستر فیصد والی کم کارکردگی کی نسبت بڑھ جاتا ہے۔

فلہذا: خطیبِ مذکور کی کلام میں سیدہ طیبہ طاہرہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب "بطور مقابلہ" خطا کی نسبت اس کی قباحت کی شدت کی موجِب ہے۔

تنبیہات:

اس مقام پہ دو امور پہ تنبیہ ضروری ہے:

(1): ان میں سے بعض امور کو انفرادی طور پہ دیکھا جائے تو ممکن کہ بہت زیادہ انکار کے مستحق نہ ہوں لیکن جب دیگر امور کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو منکرات سے ہونا شدت اختیار کر جاتا ہے۔فان الظلمات بعضها فوق بعض

(2): اگر خطیبِ مذکور کی گفتگو میں "خطا" بمعنی "خطا اجتہادی" اور خطا اجتہادی "صفاتِ مدح" سے مان لی جائے اور موصوف کی تمام تر تاویلیں بھی تسلیم کر لی جائیں، جب بھی "بطورِ مقابلہ" ہونے کے باعث سوءِ ادب سے خالی نہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ:

اولا: تو اس مقام پہ خطا کو اجتہادی خطا کے معنی میں کرنا درست نہیں، جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

ثانیا: خطا اجتہادی مطلقا صفاتِ مدح سے نہیں۔ اس کی تفصیل بھی عنقریب آتی ہے۔

ثالثا: اگر اسے صفاتِ مدح سے مان لیا جائے تو:

صفاتِ مدح دو قسم کی ہیں:

(1): حقیقیہ (2): اضافیہ

اجتہادی خطا اگر صفتِ مدح شمار ہو تو محض اضافیہ ہے جو "خطائے معصیت" کی نسبت باعثِ مدح، ورنہ فی نفسہ خطا ہونے اور ایک اجر سے حرمان کا باعث ہوتے ہوئے باعثِ مدح کیسے ہو سکتی ہے ؟؟؟

ورنہ صفین و جمل میں سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بابت خطا اجتہادی کا قول کرنا، یزید کے مقابلے میں سیدنا امام حسین کو خطا اجتہادی کا مرتکب ٹھہرانا، سیدنا علی المرتضی و جنابِ سیدنا حسین کے لیے موجبِ مدح ہونا چاہیے۔۔۔

اگر خطا اجتہادی فی حد ذاتہ صفتِ مدح ہو تو اسی صفتِ مدح کی نسبت سیدنا ابو بکر صدیق کی جانب کرنے پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔

پس اگر اس صفت کو صفتِ مدح مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ" صفتِ مدح اضافیہ"

اور صفتِ مدح اضافیہ اپنی ذات میں حاملۂ قصور، اور یہ قصور عمومی ذکر میں اگر ظاہر نہ بھی ہو لیکن بوجہِ مقابلہ اس کا شعور نسبتا واضح۔لہذا من وجہ صفتِ مدح ہو کر بھی عند المقابلہ اس کی نسبت غیر مرضی۔

فلہذا اگر خطیبِ مذکور کی گفتگو میں "خطا" بمعنی "خطا اجتہادی" اور پھر اسے صفتِ مدح بھی مان لیا جائے جب بھی بوجہِ مقابلہ خالی از سوءِ ادب نہ ہو گی۔
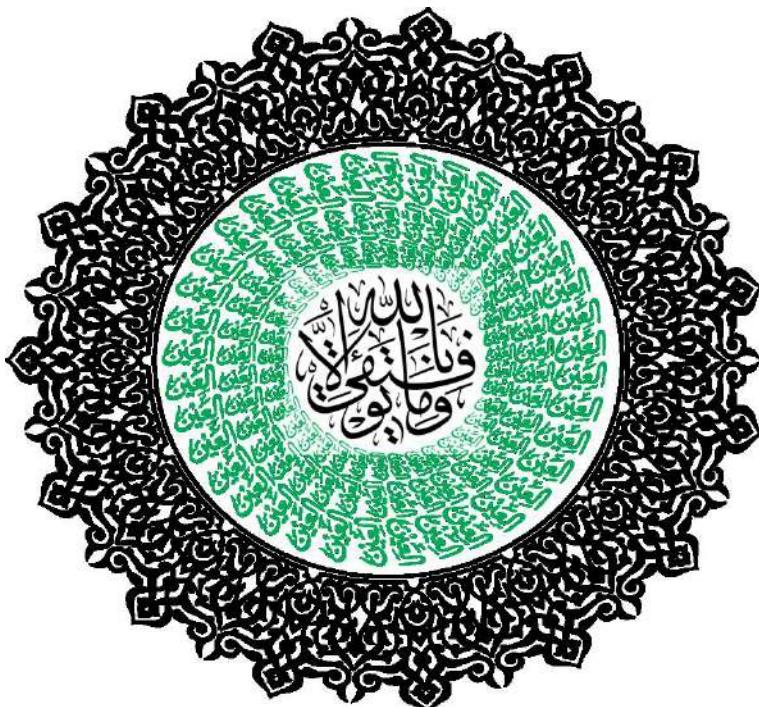
امرِ رابع:

"جانبِ مقابل کا دفاع کرتے ہوئے"

یہاں گفتگو ہر گز ہر گز جانبِ مقابل کی عزت و عظمت سے متعلق نہیں۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ کے افضل البشر بعد الانبیاء ہونے میں کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں۔

یہاں گفتگو محض اس نکتہ کی تفہیم سے متعلق ہے کہ:

- کبھی خطا کے مرتکب کا عذر پیش کیا جاتا ہے، عام ازیں اس کی خطا فی نفسہ ذکر کی جائے یا بطورِ مقابلہ مذکور ہو۔
- اور کبھی بطورِ مقابلہ ذکر کر کے جانبِ مقابل کا دفاع کیا جاتا ہے۔

اہلِ عقل اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مرتبہ ثانیہ میں احساسِ قصور و شعورِ ذم مرتبہ اولی کی نسبت شدید ہو گا۔ اور خطیبِ مذکور کی طرف سے سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء کی جانب خطا کی نسبت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ خطا کی نسبت بطور مقابلہ کیے جانے کے ساتھ ساتھ جانبِ مقابل کے دفاع کے دوران کی گئی۔ جس نے بے ادبی والی عبارت کی سنگینی میں اضافہ کر دیا۔

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

امرِ خامس

"مجمع عام میں"

اہلِ علم و عقل بخوبی جانتے ہیں کہ "مجمعِ عام" اور "محفلِ خاص" میں کی جانے والی باتوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اعلان واسرار کے احکام یکسر متفاوت ہوتے ہیں ،اور شریعتِ مطہرہ میں اس کی ان گنت امثلہ اور لاتعداد احکام موجود ہیں۔ جیسے:

متشابہ کا ذکر بطونِ کتب میں ہونے کے باوجود عوام کے سامنے جائز نہیں۔(58)

اس کے علاوہ بھی اس کی ان گنت امثلہ شریعتِ مطہرہ میں موجود ہیں، ائمہ دین نے اس پہ مستقل ابواب قائم کیے، صحابہ کرام نے اس سلسلے میں رہنمائی فرمائی۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ بدیہیات کے باب سے ہے اور ہر عام وخاص جانتا ہے کہ نجی محافل میں کی گئی گفتگو اور سرِعام کی گئی بات بالکل الگ حیثیت کی حامل ہوتی ہیں۔

فلہذا:

خطیبِ مذکور کی کلام اگر نجی محفل میں ہوتی جب بھی ہم اسے جائز نہ سمجھتے لیکن مجمعِ عام میں ہونے کی وجہ سے اس کی اساءت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

تنبیہ:

بعض لوگ خطیبِ مذکور کی گفتگو کو بے ادبی سے نکالنے کے لیے بطونِ کتب میں موجود کلماتِ علماء پیش کر رہے ہیں۔۔۔ ہماری دانست میں یا تو وہ اعلان واسرار کے فرق سے غافل ہیں، یادانستہ عوام کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔والی اللہ المشتکی

نوٹ: اس امر سے متعلق "امر سابع" میں بھی کسی قدر اشارہ آئے گا۔

---

(58):(فتح الباری 1/225، عمدۃ القاری 2/205)

امرِ سادس:

"برسرِ منبر"

مجمعِ عام میں کی جانے والی باتوں کی حیثیات یکساں نہیں ہوتیں۔ مجمعِ عام میں بات کرنے والا کبھی عامی ہوتا ہے اور کبھی صدرِ محفل، جس سے حسنِ عقیدت وابستہ ہوتی ہے۔جب وہ برسرِ منبر کوئی بات کرتا ہے تو وہ صرف ایک جملہ نہیں ہوتا بلکہ "دعوت" ہوتی ہے، ایک فکر و پیغام ہوتا ہے جس کی اشاعت کی جارہی ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بدعت کے صغیرہ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ "عوامی اجتماع" میں نہ ہو اور "ایسی شخصیات کی طرف سے نہ ہو جن کے بارے میں حسنِ گمان رکھا جاتا ہے" اگر ایسا ہو تو وہ صغیرہ نہیں رہتی، کبیرہ کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔شاطبی فرماتے ہیں:

والشرط الثالث: أن لا تفعل في المواضع التي هي مجتمعات الناس، أو المواضع التي تقام فيها السنن، وتظهر فيها أعلام الشريعة؛ فأما إظهارها في المجتمعات ممن يقتدى به، أو ممن يحسن به الظن: فذلك من أضر الأشياء على سنة الإسلام(59)

تیسری شرط: یہ کہ بدعت کا ارتکاب ان جگہوں میں نہ کرے جو لوگوں کے جمع ہونے کے مقامات ہیں۔ یا وہ جگہیں جن میں سنن قائم کی جاتی ہیں اور شریعت کے اعلام ظاہر کیے جاتے ہیں۔ بہر حال بدعات کا اجتماع گاہوں میں ایسے لوگوں کی جانب سے اظہار جن کی اقتداء کی جاتی ہے، یا ان لوگوں کی جانب سے جن سے حسنِ گمان رکھا جاتا ہے، یہ چیز سنتِ اسلام پہ سب سے زیادہ نقصان کا باعث ہے۔

---

(59):(الاعتصام2/406)

مزید فرمایا:

فکذلك البدعة إذا أظهرها العالم، اقتدي به فیها لا محالة (60)

تو یونہی بدعت کا اظہار جب عالم کرے گا تو لازمی طور پر اس کی پیروی کی جائے گی۔

واضح رہے کہ:

امر خامس اور امر سادس میں فرق یہ ہے کہ خامس "اظہار" اور سادس "دعوت" کے درجہ میں ہے۔"اظہار" اتباع کا باعث ہے اور "دعوت" اسی اتباع میں دعوتِ کاملہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ شاطبی فرماتے ہیں:

وإن کان الإظهار باعثا علی الاتباع؛ فبالدعاء یصیر أدعی إلیه.(61)

اور اگر اظہار پیروی کا باعث ہو تو اس بدعت کی طرف دعوت کی وجہ سے وہ اس کا بہت بڑا داعی بن جائے گا۔

لہٰذا خطیبِ مذکور کا مجمع عام میں "نسبتِ وقوعِ خطا" کا ذکر لوگوں کی اتباع کا باعث بنا اور پھر برسرِ منبر اس اتباع کا بھرپور داعی۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اب یہ فکر ایک مستقل تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ لہٰذا اس اساءت کو عمومی و معمولی اساءت جو مذکورہ شدتوں سے مجرد ہو اس پہ قیاس کرنا ضوابطِ شرع سے یکسر غفلت بنے گی۔فلیتنبه

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

(60):(الاعتصام2/406)

(61):(الاعتصام2/407)

امر سابع:

"انتہائی قبیح انداز میں"

اندازِ گفتگو بعض اوقات درست بات کو بھی قابلِ انکار بنا دیتا ہے۔ حدیثِ صحیح میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے دورانِ خطبہ کہا

من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى

جس نے اللہ جل وعز ورسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے راہ پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو فرمایا

اسكت فبئس الخطيب أنت(62)

خاموش ہو جا! تُو تو بہت برا خطیب ہے۔

معمولی عقل کا حامل بھی یقین سے کہہ سکتا ہے کہ:

خطیب نے جو بات کی تھی اس بات میں کوئی خرابی نہیں تھی، جو مسئلہ بیان کیا تھا وہ مسئلہ سو فیصد درست تھا۔

لیکن:

اس خطیب کا اسلوبِ گفتگو نامناسب تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اسے

---

(62):(مسند احمد 18247، مصنف ابن أبي شيبة 10/347 ، صحيح مسلم (870) ، سنن أبو داود (1099) ،(4981) ، صحيح ابن حبان (2798) ، البيهقي في "السنن" 1/86 و3/216، وفي "معرفة السنن والآثار" (6497) ،والطبراني 17/ (234) ، والحاكم 1/289، قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه، ووافقه الذهبي، مسند ابی داود الطيالسي (1026) ، ،البغوي في "شرح السنة" 12/360 (3391)

گفتگو کرنے سے روک دیا اور اس کی مذمت بھی فرمائی۔

در اصل اس نے ذاتِ باری عز اسمہ کو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ذاتِ والا کو ایک ہی ضمیر میں شریک کر دیا تھا اور بولا؛

"ومن يعصهما"

یعنی "جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی"

یہ اسلوبِ گفتگو تعظیمِ باری عز اسمہ کے تقاضوں کے منافی ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اسے گفتگو سے روک دیا اور فرمایا؛

قل ومن يعص الله ورسوله

بولو: " اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی"

خطیبِ مذکور نے سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ والا کی جانب فقط "نسبتِ وقوعِ خطا" نہیں کی، بلکہ انداز اور اسلوبِ کلام بھی انتہائی منکر تھا۔۔۔ میں نے اس سلسلے میں خطیبِ مذکور کے دو مختلف خطابات سنے، دونوں کے اندازِ کلام میں فرق ضرور ہے لیکن دونوں ہی "ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کہلانے کے مستحق ہیں۔ ایک خطاب میں کہا:

"لہذا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اگر یہ دلیل پیش کی تھی تو پھر بھی معصوم نہیں تھیں، غلطی ہو گئی۔"

دوسرے خطاب میں انداز زیادہ نامناسب تھا۔ اعلیحضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی گفتگو کا خود ساختہ مطلب بیان کرتے ہوئے کہا؛

"یعنی یہ فرمایا کہ مسئلہ باغِ فَدَک میں یہ روافض تم دلیل نہ بناؤ کہ معصوم تھیں تو مانگنا ہی حق

کی دلیل ہے۔فرمایا کہ نہیں، خطا کا امکان تھا۔اور خطا پر تھیں۔جب مانگ رہی تھیں خطا پر تھیں۔ "

بہر حال خطیبِ مذکور کے اسلوبِ گفتگو نے اس بے ادبی کے ثقل میں مزید اضافہ کیا۔ اعاذنا الله من ذلک

فائدہ:

واضح رہے کہ:

سطورِ بالا میں مذکور حدیث میں خطیب کو جو الفاظ استعمال کرنے سے روکا گیا، خود اس قسم کی گفتگو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا سے مروی ہے۔اس لیے شارحین نے یہاں سوال قائم کیا کہ:

کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے خود تو ایسی گفتگو فرمائی، لیکن جب کوئی دوسرا شخص کر رہا تھا تو اسے روک دیا؟

شارحینِ حدیث نے جواباً کہا:

در اصل گفتگو کا تعلق "بولنے والے" اور "سننے والے" دونوں سے ہوتا ہے۔کچھ باتیں ایک بولنے والے کے لحاظ سے بے ادبی بنتی ہیں جبکہ دوسرا بولے تو بے ادبی نہیں بنتی۔اسی طرح ایک گفتگو کچھ لوگوں کے سامنے کی جائے تو بے ادبی شمار ہوتی ہے لیکن سننے والے بدل جائیں تو بے ادبی شمار نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ جب اس خطیب نے یہ جملے کہے تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سے منع فرما دیا، جب متکلم بدل گیا، یعنی خود رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی اور ممکن ہے کہ سامعین بھی بدل چکے ہوں تو جو گفتگو اُس متکلم اور ان سامعین کے لحاظ سے بے ادبی تھی،

لازمی نہیں کہ اس ذاتِ والا ﷺ اور اس وقت کے سامعین کے لحاظ سے بھی بے ادبی بنے۔

علامہ ابو الحسن سندھی نے کہا:

فالوجه أن التشريك في الضمير يخل بالتعظيم الواجب، ويوهم التشريك بالنظر إلى بعض المتكلمين وبعض السامعين، فيختلف حكمه بالنظر إلى المتكلمين والسامعين(63)

وجہ یہ ہے کہ ضمیر میں شریک بنانا تعظیم واجب میں خلل ڈالتا ہے۔ اور تشریک کا وہم بعض متکلمین اور بعض سامعین کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ پس متکلمین وسامعین کے لحاظ سے اس کا حکم بدل جاتا ہے۔

فتاوی رضویہ شریف میں اعلیحضرت نے ایک حدیث پر گفتگو کے دوران فرمایا

ثانیاً اقول: ممکن کہ مجلس عورتوں، کنیزوں، کم فہم لوگوں کی تھی ان میں منع فرمایا کہ توہُّم ذاتیت کا سدباب ہو، شرح حکیم ہے اورامام الوہابیہ کی مت اوندھی جو متحمل ذو وجوہ بات جس میں برے پہلو کی طرف لے جانے کا احتمال ہو چھوکریوں کو منع کی جائے دانشمند مردوں کے لیے اس کی ممانعت بدرجہ اولٰی جانتاہے حالانکہ معاملہ صاف الٹا ہے ایسی بات سے کم علموں کم فہموں کو روکتے ہیں کہ غلط نہ سمجھ بیٹھیں، عاقلوں دانشمندوں کو منع کیا ضرور کہ ان سے اندیشہ نہیں۔

یہ فرمانے کے بعد اعلیحضرت نے بطورِ تائید مذکورہ بالا حدیث کو ذکر فرمایا(64)

---

(63):(فتح الودود 1/ 638)

(64):(فتاوی رضویہ 30/ 568،569)

اس فائدہ کا تعلق "امرِ خامس" میں بیان کردہ امور سے بھی ہے۔ جہاں ہم نے مجمعِ عام و محفلِ خاص میں ہونے والی گفتگو کے فرق کی طرف اشارہ کیا تھا، شارحینِ حدیث کا یہ نکتہ بھی اسی بات پر رہنمائی کرتا ہے کہ بولنے والے اور سننے والوں کے بدلنے سے گفتگو کے احکام بدل جاتے ہیں۔ جو بات ایک جگہ کرنا درست ہو، ضروری نہیں کہ وہ دوسری جگہ کرنا بھی درست ہو۔۔۔

هر سخن وقتی و هر نکته مکانی دارد

اور:

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

بالخصوص مجمع عام و خاص میں تو زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ میاں محمد بخش فرماتے ہین

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی
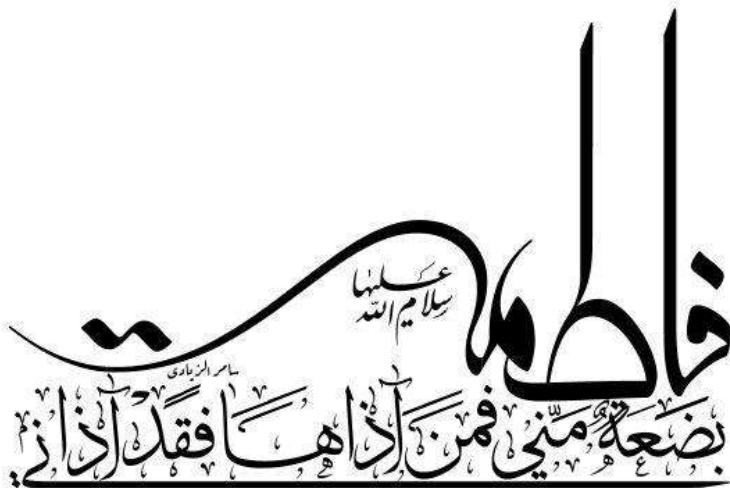
امرِ ثامن:

"بلا قید"

بعض اوقات کسی بڑی شخصیت کی جانب ازراہِ ضرورت وحاجت غلطی وخطا کی نسبت کرنا پڑتی ہے تو اسے ایسی قیود سے مقید کیا جاتا ہے جو لفظِ"خطا" میں پائے جانے والے معنوی عیب میں کسی قدر تخفیف کریں۔ مثلایوں کہہ دیا جاتا ہے:

"باعتبار ظاہر کے خطا"، "اجتہادی خطا"، "بالکل معمولی سی خطا" یا اسی طرح کی کوئی قید جو "خطا" کے معنی میں پائے جانے والے قصور کو گھٹائےاور حتی الامکان گفتگو"سوءِ ادب" کے باب سے نکل آئے، یاضعیف رہے۔ لیکن خطیبِ مذکور نے ایک سے زائدبار اور مختلف نشستوں میں لفظِ خطاو غلطی کی نسبت جگر گوشۂ رسول ﷺ کی جانب کی، اور کسی طرح کی قید نہیں لگائی۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی منصف مزاج کو جگر گوشۂ مصطفی ﷺ کی جانب "بلا قید" نسبتِ خطا کے "بے ادبی" ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔۔۔ البتہ جو لوگ بابِ فتوی میں اپنے پرائے کی رعایت کرتے ہوں، اپنوں کا شہتیر معاف اور دوسروں کا تنکا بھی اٹک جاتا ہو ، ایسے لوگوں سے کبھی بھی انصاف کی امید نہیں کی جاسکتی۔

تنبیہ:

خطیبِ مذکور نے اپنی گفتگو کے کئی ماہ بعد اس کی تاویل پیش کی۔ اور وہ بھی یوں نہیں کہ جیسے ہی اعتراض ہوا ہو تو موصوف نے اپنی نیت کی وضاحت کر دی ہو۔۔۔ ایسا ہر گز نہیں ہوا۔ اعتراضات کا سلسلہ چلتا رہا، موصوف کے حامیوں کی طرف سے بلکہ خود موصوف کی طرف سے ویڈیو کلپ کے ذریعے معترضین کو برا بھلا کہا گیا۔ اپنی گفتگو کی درستی کے دعوی

کے ساتھ ساتھ تمام اہلِ علم کو چیلنج کیا گیا کہ "اگر پیر صاحب کی گفتگو کے کچھ اور معنی ہیں تو کوئی اور بیان کر کے دکھا دے۔۔۔!!!"

بعد ازاں کسی کے سمجھانے پر موصوف نے "خطا اجتہادی" کا نام لینا شروع کر لیا اور موصوف کے حامی بھی اس کی اس توجیہ کو نہ صرف قبول کیے بیٹھے ہیں بلکہ قبول نہ کرنے والوں پر صبح شام لعن طعن میں بھی مصروف ہیں۔

بہر حال: ہم "خطا اجتہادی" کی توجیہ سے متعلق مفصل گفتگو کریں گے لیکن سطورِ بالا میں ذکر کر چکے کہ اگر اس مقام پہ "خطا" بمعنی "خطا اجتہادی" ہو سکتی ہو جب بھی خطیبِ مذکور کی متنازع گفتگو سوءِ ادب کے باب سے نہیں نکل سکتی۔ کیونکہ تعظیم واساءت میں الفاظ کے عرفی معنی معتبر ہوتے ہیں نہ کہ نیتیں۔ جیسے کوئی شخص موجودہ عرف میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو باغی کہہ دے اور جب گرفت ہو تو تاویلیں پیش کرنے لگ جائے۔۔۔

تو جیسے موجودہ عرف میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو باغی کہنے کے بعد تاویلیں پیش کرنے والے کی تاویلیں اس کی گفتگو کو بے ادبی سے نہیں نکال سکتیں، یونہی خطیبِ مذکور کی تاویلیں بھی اس کی گفتگو کو "بے ادبی" سے نہیں نکال سکتیں۔

امرِ تاسع:

"خلافِ واقع"

کسی شخص سے غلطی وخطا کا صدور ہوا ہو، اب بھی اگر اس کی غلطی وخطا کا مجمعِ عام میں اعلان کیا جائے تو اس کے لیے باعثِ عار ہوتا ہے۔ اور اگر کسی شخص سے غلطی وخطا کا صدور ہوا ہی نہیں، پھر بھی مجمعِ عام میں بار بار اس کی جانب غلطی وخطا کی نسبت کی جاتی رہے تو یقیناً یہ اساءتِ ادب میں شدید ہے۔

یہی معاملہ خطیبِ مذکور کی رسوائے زمانہ گفتگو کا ہے۔ جس مسئلہ میں وہ شخص سیدہ طیبہ طاہرہ جگر گوشۂ مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جانب وقوعِ خطا کی نسبت کر رہا ہے، وہ نسبت بالکل خلافِ واقع اور سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ والا پہ افتراء ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ:

مطالبہ فدک میں سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کسی طرح کی خطا سرزد ہوئی ہی نہیں۔ پھر اس معاملے میں سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کو خطا پر کیسے کہا جا سکتا ہے؟

تفصیلِ مقام یہ ہے کہ:

ہر عام وخاص جانتا تھا اور جانتا ہے کہ والد کے ترکہ سے بیٹی کو حصہ ملتا ہے۔ اور اس قسم کے مسائل میں نہ اجتہاد کی حاجت اور نہ ہی ان سے اجتہاد کا تعلق آج بھی یہ مسئلہ واضحات سے ہے اور دورِ علم وعرفاں میں تو بطریقِ اولی۔

رہی بات ان فرامینِ مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جو "عدمِ توریثِ انبیاء" پر ناطق ہیں، وہ تا وقتِ مطالبہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو پہنچے ہی نہیں تھے۔ اور قبل از بلوغِ خطاب مکلف "معذور" ہوتا ہے نہ کہ بر غلط وخطا۔۔ الا آنکہ اس کی جانب سے تقصیر فی الطلب پائی

جائے۔

تقویم الادلۃ میں فرمایا:

الخطاب النازل من السماء يعتبر عدما في حق من لم يبلغه ولم يقصر في طلبه، وحال البلوغ إليه معتبر في حقه بابتداء الشرع ليكون التكليف بقدر الوسع(65)

خطابِ سماوی جس تک نہ پہنچے اس کے حق میں معدوم شمار کیا جائے گا جبکہ اس نے طلب میں کوتاہی نہ برتی ہو۔ اور اس تک پہنچنے کے وقت اس کے حق میں"ابتدائے شرع" شمار ہو گا تاکہ تکلیف بقدرِ طاقت بنے۔

یعنی:

سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کے مطالبہ سے قبل گویا کہ فرمانِ رسالت علی صاحبہ الصلوۃ والسلام آپ رضی اللہ تعالی عنہا کے حق میں صادر ہی نہ ہوا تھا۔ جب سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا مطالبہ فرما چکیں، اس کے بعد جوابا سیدنا ابو بکر صدیق کے واسطہ سے آپ رضی اللہ تعالی عنہا کو فرمانِ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پہنچا تو(آپ کے حق میں) فرمانِ رسالت اسی وقت جاری ہوا کہ "انبیاءِ کرام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی"

سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے وقوعِ خطا کا تکرار کرنے والوں اور ان کے حمایتیوں سے سوال ہے کہ کیا قبل از "ورودِ خطاب" بھی کسی کو بر غلط و خطا کہا جا سکتا ہے؟؟؟

اگر جواب "ہاں" میں دیا جاتا ہے تو اب نہ اہلِ بیتِ کرام میں سے کوئی بچے گا اور نہ ہی صحابۂ کرام میں سے کوئی شخص۔۔۔ بلکہ بات انبیاء کرام بلکہ سرورِ انبیاء ﷺ تک جا پہنچے گی۔۔۔

اور اگر جواب "نہیں" میں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ

(65):(تقویم الادلۃ ص386)

تعالی عنہا کے حق میں خطاب موجود ہی نہیں، پھر بھی آپ رضی اللہ تعالی عنہا کو"خطا" پر ثابت کرنے پر اصرار کیا جارہاہے۔۔۔!!!

امام ابوزید دبوسی فرماتے ہیں:

فيكون من لم يبلغه الناسخ معذورًا في العلم بالمنسوخ(66)

جسے ناسخ نہ پہنچا ہو وہ منسوخ سے متعلق علم میں معذور ہے۔

اصول السرخسی میں ہے:

في زمان النبي عليه السلام كان الناسخ ينزل فيبلغ ذلك بعض الناس دون البعض ومن لم يبلغه يكون معذورا في العمل بالمنسوخ(67)

نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے دورِ اقدس میں ناسخ اترتا تھا تو بعض لوگوں کو پہنچتا اور بعض کو نہ پہنچتا۔ جسے نہ پہنچ پاتا وہ منسوخ پر عمل کے معاملے میں معذور ہو گا۔

اصولِ بزدوی میں ہے:

وكذلك الخطاب في أول ما ينزل فإن من لم يبلغه كان معذورا مثل ما روينا في قصة أهل قبا وقصة تحريم الخمر قال الله تعالى {وما كان الله ليضيع إيمانكم} وقال تعالى {ليس على الذين آمنوا وعملوا الصالحات جناح فيما طعموا} الآية(68)

اور یونہی خطاب جب پہلے پہل نازل ہو تو جس شخص تک نہ پہنچے وہ معذور ہو گا۔ جیسا کہ ہم نے اہلِ قبا کے قصہ میں اور شراب کی حرمت کے قصہ میں روایت کیا۔ اللہ جل وعلا نے

---

(66):(تقویم الادلۃ ص321)

(67):(اصول السرخسی 2/217)

(68):(اصول البزدوی 4/346)

(پہلے قصہ کے بارے میں) فرمایا: اور اللہ تعالی تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں۔
اور (دوسرے قصہ کے بارے میں) فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ان پر اس میں کوئی حرج نہیں جو انہوں نے کھایا۔
امام بزدوی کا اسلوب دیکھیے اور اس کے مقابل خطیبانِ عصر حاضر کا طریقہ ملاحظہ کیجیے:
امام بزدوی کے مطابق جن لوگوں کو خطاب نہ پہنچا تھا انہیں جب اعمال کی فکر ہونے لگی تو ان کی تسلی کے لیے اللہ جل وعلانے قرآنِ عظیم کی آیتیں اتاریں۔۔۔
اور آج کے خطیبوں اور حقیقت دین سے غافل مدعیانِ علم بلوغِ خطاب سے پہلے بھی غلط وخطاپر قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگارہے ہیں۔
؎ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا
بہر حال:
امام بزدوی کی کلام کی شرح میں فرمایا:
وكذلك أي وكالخطاب في حق أهل الحرب في الخفاء الخطاب في أول ما ينزل فإنه خفي في حق من لم يبلغه من المسلمين لعدم استفاضته بينهم فيصير الجهل به عذرا
اور یونہی یعنی خفاء کے معاملے میں اہلِ حرب کے حق میں خطاب کی جو حیثیت ہے وہی حیثیت نزول کے دور میں ہے۔ کیونکہ شہرت نہ ہونے کی وجہ سے ان مسلمانوں کے حق میں خطاب خفی ہوتا ہے جن تک پہنچا نہیں ہوتا، پس اس سے لاعلمی عذر ہے۔
آگے چل کر فرمایا:
فثبت بماذكرناأن حكم الخطاب لا يثبت في حق المخاطب قبل علمه به

إذ ليس في وسعه الائتمار قبل العلم فلذلك يعذر(69)

توجو ہم نے ذکر کیا اس سے ثابت ہوا کہ خطاب کا حکم مخاطب کے حق میں اس کے خطاب سے متعلق علم سے پہلے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ علم سے پہلے فرمانبرداری اس کی طاقت میں ہی نہیں، لہذا وہ معذور ہے۔

نہایۃ الوصول میں خبر پہنچنے سے قبل نسخ کے ثبوت سے متعلق اختلاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وقال قوم: لا يكون نسخا في حقه ما لم يبلغه الخبر وهذا ينسب إلى الحنفية

اور ایک قوم نے کہا: مکلف کے حق میں نسخ نسخ نہیں بنے گا جب تک اسے خبر نہ پہنچے۔ اور اس رائے کی نسبت حنفیوں کی طرف کی جاتی ہے۔

آگے چل کر فرمایا:

فإن تكليف من هو بأقصى اليمن بترك التوجه إلى بيت المقدس والتوجه إلى الكعبة عند نزول آية وجوب التوجه إليها بالمدينة تكليف بما لا يطاق.(70)

ایسا شخص جو یمن کے کونے میں موجود ہو اسے تحویلِ قبلہ کی آیت نازل ہوتے ہی بیت المقدس کے بجائے کعبۃ اللہ کی جانب متوجہ ہونے کا مکلف بنانا تکلیف بمالا یطاق ہے۔

حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ جس شخص کو خطابِ الہی نہیں پہنچا اور اس سلسلے میں اس کی کوتاہی کا بھی دخل نہ ہو تو اس کے حق میں حکم ثابت ہی نہیں۔۔۔ نہ یہ کہ وہ اس سلسلے میں خطاکار قرار دیا جائے۔

---

(69):(کشف الاسرار4/347)

(70):(نہایۃ الوصول6/2314،2315)

کیا یہ نفوسِ عالیہ بھی خطا پہ گردانے جائیں گے ؟؟؟

حیاتِ صحابہ میں ان گنت ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں خطاب نازل ہو چکا اور بعض صحابہ کو علم بھی ہو چکا۔ لیکن جن صحابہ کو خطاب نہ پہنچا اور اس سلسلے میں ان کی جانب سے تقصیر بھی نہ پائی گئی تو ایسے صحابہ کو معذور سمجھا گیا، نہ کہ بر غلط و خطا۔۔۔ مثلاً

- رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حیض والی عورت کو طوافِ صدر کے معاملے میں رخصت عطا فرمائی لیکن یہ حدیث جنابِ عمر فاروق کو نہ پہنچی، اس لیے آپ نے ایسی عورت کے بارے میں فرمایا کہ وہ رکی رہے اور پاک ہونے کے بعد طواف کرے۔۔۔(71) ائمہ وعلماء میں سے کسی ایک نے بھی آج تک اس مسئلہ میں حضرت عمرِ فاروق کو بر غلط و خطا نہیں کہا۔
- دورانِ نماز قہقہہ لگانے کی صورت میں اعادہ وضو کا حکم حدیث میں موجود ہے لیکن وہ حدیث جنابِ ابو موسی اشعری تک نہ پہنچی تھی لہذا آپ نے اعادہ وضو سے منع کیا۔۔۔(72) لیکن کسی نے جنابِ ابو موسی کو بر غلط و خطا نہ کہا۔
- جنابِ رسول اللہ ﷺ نے شیخِ کبیر کی طرف سے حج کی اجازت عطا فرمائی لیکن حدیث جنابِ عبد اللہ بن عمر کو نہ پہنچی اور آپ نے فرمایا کوئی کسی دوسرے کی طرف سے حج نہیں کر سکتا۔۔۔(73) حدیث پہنچنے سے پہلے جنابِ عبد اللہ کے اس فرمان کے سبب آج تک کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو خطا پر نہیں کہا۔

---

(71): الفصول فی الاصول للجصاص الرازی 3/207

(72): الفصول فی الاصول للجصاص الرازی 3/207

(73): الفصول فی الاصول للجصاص الرازی 3/207

- شراب کی حرمت نازل ہو چکی، کچھ صحابہ سفر میں ہیں ان تک شراب کی حرمت کی خبر نہیں پہنچی۔ ان کا عمل حسبِ سابق جاری رہا(74) تو کیا ان صحابہ کرام کو کسی نے کبھی بر غلط و خطا قرار دیا؟

(74): کشف الاسرار 4/374

- تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیت المقدس سے چہرہ اقدس پھیر کر کعبہ مشرفہ کی طرف نماز شروع کر دی لیکن قبا والوں کو ابھی اطلاع نہیں ہوئی اور وہ سارے کے سارے جانبِ بیت المقدس چہرہ کیے نماز پڑھ رہے تھے۔ مکہ والے ، دیگر علاقوں میں آباد اہلِ ایمان کی نمازیں بیت المقدس کی جانب چہرہ کر کے ہو رہی تھیں۔۔۔۔(75) ایسی حالت میں ان سب کو بر غلط و خطا کہا جائے گا یا معذور قرار دیا جائے گا؟؟؟

(75): کشف الاسرار 4/374

اگر یہ سارے بر غلط و خطا تھے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ یہ سب لوگ اپنی نمازیں دہرائیں کیونکہ منسوخ قابلِ عمل نہیں رہتا۔۔۔؟؟؟ امام بزدوی کے مطابق تو آخر الذکر دونوں گروہوں کی تسلی کے لیے قرآنِ عظیم کی آیات نازل ہوئیں، کیا خطا کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ شریعتِ مطہرہ میں اس کی لاتعداد مثالیں ہیں جن میں بلوغِ خطاب سے قبل صحابہ کسی مخصوص عمل میں مصروف رہے لیکن چونکہ ان کی جانب سے کوتاہی نہ پائی گئی، لہذا انہیں معذور سمجھا گیا، غلط و خطا کا حکم ہرگز نہیں لگایا گیا۔

خطا اجتہادی کے اطلاق کی صورتیں:

ہم سطورِ بالا میں ثابت کر چکے کہ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب وقوعِ خطا کی نسبت سراسر خلافِ واقع اور آپ رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ والا پہ افتراء ہے۔ حتی کہ اگر "خطا" کو "اجتہادی خطا" کی تاویل میں مان لیا جائے، جب بھی یہ نسبت واقع کے سراسر خلاف ہے۔ امام غزالی کے مطابق خطا کا اطلاق دو صورتوں میں کیا جائے گا

1) حکمِ شرعی کو طلب کیا مگر پا نہ سکا تو خطا پر ہے۔

2) جس پہ حکمِ شرعی کی طلب لازم تھی مگر اس نے کوتاہی کی تو اب بھی خطا پر ہے۔

خطیبِ مذکور اور اس کے حامیوں سے سوال ہے کہ آپ لوگ سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب نسبتِ خطا پہ مصر ہیں، یہ خطا کس لحاظ سے تھی؟؟؟

نہ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بطورِ اجتہاد طلبِ حکم کیا کہ عدمِ اصابت کے باعث خطا پر کہلاتیں، اور نہ ہی طلبِ لازم میں کوتاہی متحقق کہ آپ کی خطا پہ زور دیا جاتا۔۔۔ اور اگر کوئی تیسری وجہ ہے جس لحاظ سے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کو خطا پر گردانا جا رہا ہے تو اس وجہ کو بیان کیا جائے۔

امام غزالی کی کلام ملاحظہ ہو:

اسم الخطأ يطلق على من طلب شيئا فلم يصب أو على من وجب عليه الطلب فقصر، ولا يتحقق شيء منه في محل النزاع(71)

خطا کا اطلاق اس شخص پر کیا جاتا ہے جس نے کسی چیز کو تلاش کیا مگر پا نہ سکا۔ یا وہ شخص جس پر طلب لازم ہوئی اور اس نے کوتاہی کی۔ اور ان میں سے کوئی بھی چیز محلِ نزاع میں پائی

---

(71):(المستصفی ص97)

نہیں جا رہی۔

المعتمد وغیرہ میں ہے:

ولا يسمى من لم يبلغه النص ولم يتمكن منه بأنه مخطيء للنص كما لا يوصف من لم تبلغه شريعة النبي صلى الله عليه وسلم بأنه قد أخطأها(72)

جسے نص نہ پہنچی اور اور نہ ہی وہ اس پر قادر ہوا ہو اسے نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے نص کے معاملے میں خطا کی ہے۔ جیسا کہ جسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت نہ پہنچی ہو اسے نہیں کہا جا سکتا کہ: اس نے شریعت کے معاملے میں خطا کی ہے۔

حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ:

مطالبۂ فدک کے معاملے میں سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب "خطا" کی نسبت سراسر خلافِ واقع ہے۔ عام ازیں خطا سے مراد خطا اجتہادی ہو یا کچھ اور، جن مقامات پہ کسی مجتہد کی جانب خطا منسوب ہوتی ہے ان میں سے کوئی ایک بھی سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں متحقق نہیں۔

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

(72):(المعتمد 382/2 ، قواطع الأدلة 313/2)

امرِ عاشر:

"خطاو غلطی کے وقوع کی نسبت"

قصورِ معنوی کے سبب اکابر کی جانب نسبتِ خطا کسی بھی اعتبار سے ہو،کسی قدر سوءِ ادب سے خالی نہیں۔ لیکن بات اگر محض امکان کی ہو تو اساءت ایسی شدید نہیں ہوتی جتنی شدت "وقوع" کی صورت میں پائی جاتی ہے۔اور خطیبِ مذکور نے سیدہ طیبہ طاہورضی اللہ تعالی عنہا کی جانب محض امکان کی نہیں بلکہ وقوع کی نسبت کی۔

وقوعِ خطا کی نسبت "اکابر اولیاء" کے حق میں "حفظِ الہی" کے انکار کے مترادف ہے۔

خطیبِ مذکور کا اعتراض ہے کہ "جو سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب خطا کی نسبت پر اعتراض کر رہے ہیں وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو معصوم نہ مان کر بھی در حقیقت معصومین والا مرتبہ دیناچاہ رہے ہیں"

مگر یہ اعتراض ان کی سوءِ فہمی پر مبنی ہے۔کیونکہ اہلِسنت کا اتفاق ہے کہ

اصطلاحی وشرعی معنی کے لحاظ سے انبیاء وملائکہ کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں،البتہ اکابر اولیاء محفوظین ہوتے ہیں۔

عصمت اور حفظ میں فرق سے متعلق مختلف اقوال ہیں، یہاں صرف شیخ علی بن محمد تمیمی کا قول ذکر کرناچاہوں گا، فرمایا!

العصمة المنع من الذنب مع عدم جواز الوقوع وهی للانبیاء والملائكة علیہم الصلوۃ والسلام واما الحفظ فهو المنع من الذنب مع جواز الوقوع ومن هنا تعرف الفرق بين العصمة والحفظ وهو للاولياء فالانبياء

معصومون والاولیاء محفوظون(73)

عصمت گناہ سے روکنا ہے اور اس کے ساتھ وقوع کا عدم جواز ہو۔ اور عصمت انبیاء وملائکہ کے لیے ہے۔ بہر حال حفظ تو وہ گناہ سے روکنا ہے جس کے ساتھ وقوع کا جواز ہو۔ اور یہیں سے تم عصمت اور حفظ کے بیچ فرق پہچان جاؤ گے۔ اور حفظ اولیاء کے لیے ہے، پس انبیاء معصوم ہیں جبکہ اولیاء محفوظ ہیں۔

یعنی معصوم اور اکابر محفوظین اس قدر میں شریک ہیں کہ خطا و گناہ کا صدور دونوں ہی سے منع ہے، فرق یہ ہے کہ معصوم سے صدور ممکن ہی نہیں، یعنی امکانِ وقوعی مفقود ہے جبکہ اکابر محفوظین کے حق میں امکانِ وقوعی باقی ہوتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ یہاں دو امر ہیں؛

(1): خطا و گناہ کا صدور

اس امر میں معصوم اور اکابر محفوظین شریک ہیں۔ بایں طور کہ دونوں میں سے کسی سے بھی خطا و گناہ صادر نہیں ہوتے۔

(2): امکانِ وقوعی کی بقاء

یہ معصومین اور اکابر محفوظین کے مابین مابہ الامتیاز ہے۔ معصوم کے حق میں امکانِ وقوعی باقی نہیں ہوتا جبکہ اکابر محفوظین کے حق میں باقی ہوتا ہے۔

---

(73):(تقریب البعید ص105)

جب خطیبِ مذکور وقوع وصدورِ خطا کے مدعی ہیں تو صاف صاف محفوظۂ کبری سیدہ طیبہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی محفوظیت یا کم از کم ان کے درجہ کے لائق حفظ کے منکر ہوئے۔اب نہ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا معصومہ اور نہ ہی محفوظہ۔۔۔

اور امام قشیری کے مطابق "حفظ" کا انکار "ولایت" کا انکار ہے۔رسالہ قشیریہ پھر حسن التنبہ لما ورد في التشبہ میں ہے:

ومن شرط الولي أن يكون محفوظا كما أن من شرط النبي أن يكون معصوما (74)

ولی کے لیے شرط ہے کہ وہ محفوظ ہو، جیسا کہ نبی کے لیے معصوم ہونا شرط ہے۔

اور اگر نفسِ ولایت کا انکار نہ بھی بنے تو کم از کم ولایت کے اعالی درجات کا انکار ضرور ہے۔

حاصلِ گفتگو یہ بنا کہ:

اگر خطیبِ مذکور سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب امکانِ خطا کی نسبت کرتے تو بات الگ ہوتی۔ لیکن وقوعِ خطا کی نسبت کو انکارِ مقامِ محفوظیت لازم۔۔۔ اور امام قشیری کی تصریح کے مطابق ولایت کے لیے مقامِ محفوظیت شرط ہے واذا فات الشرط فات المشروط، نتیجہ یہ نکلا کہ وقوعِ خطا کی نسبت سے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے شایان مقامِ ولایت کا بھی انکار ہو گیا۔۔!!!

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

(74):(الرسالة القشيرية 2/416، حسن التنبه لما ورد في التشبه 3/233)

امر حادی عشر:

"تکرار"

خطیبِ مذکور کو میں نے خود تین بار سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب خطاو غلطی کے وقوع کی نسبت کرتے سنا، اور تکرار عادت کی علامت ہے۔

ہماری کتب بھری پڑی ہیں کہ نفسِ ارتکاب اور عادت کے درمیان فرق ہے۔ فقہاءِ کرام جابجا فرماتے نظر آتے ہیں کہ "ان اعتاده اثم والا لا" (یعنی کچھ امور ایسے ہیں کہ جن کا عادی ہو تو گناہگار ہو گا ورنہ نہیں۔)، بلکہ خود بے ادبی کے باب میں بھی نفسِ ارتکاب اور عادت کے بیچ فرق کیا جاتا ہے۔ جس پر ہمارے فقہاء کی کلام شاہد۔۔۔

پس خطیبِ مذکور اگر سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہاکی ایک آدھ بار بے ادبی کے مرتکب ہوتے تو جب بھی اس کے بے ادبی اور واجبِ مذمت ہونے میں شک نہیں تھا، لیکن تکرار نے ان کے فعل کی اساءت میں اضافہ کر دیا۔اعاذنا الله من ذلک

حاصلِ گفتگو یہ ہوا کہ:

کسی بھی بڑی شخصیت کی جانب مطلقا خطا کی نسبت کی جاتی تو سوءِ ادب سے خالی نہ ہوتی۔ لیکن مذکورہ بالا امور نے اس بے ادبی کو شدید و قبیح ترین کر دیا اعاذنا اللہ تعالی منہا اور ان گیارہ امور میں سب سے خطرناک بات" جگر گوشۂ رسول ﷺ کی جانب نسبتِ خطا ہے۔" کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ حدیث کی تصریح، علماء کی آراء اور دلیلِ معقول کے تقاضے سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب منسوبات حکما رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی جانب منسوب ہیں۔

بنابریں:

"خطیبِ مذکور نے یہ جملے سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ کے لیے نہیں کہے بلکہ حکمی طور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے کہے ہیں"

اور بعد والے دس امور کے باعث اس اساءت کی شدت میں اضافہ ہوا فانا للہ وانا الیہ راجعون
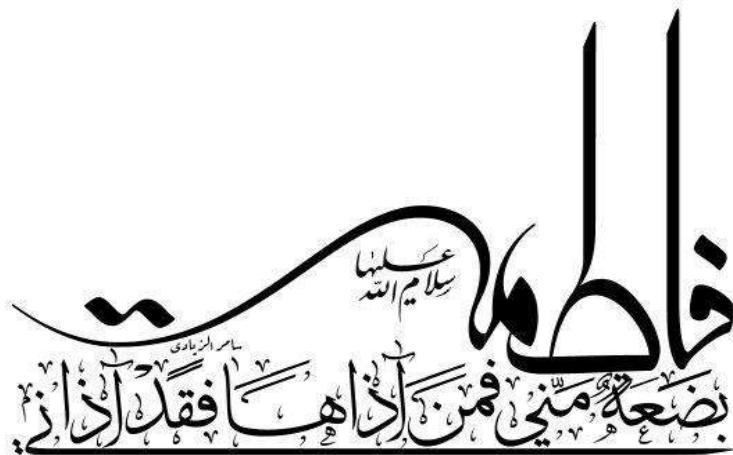
خطیبِ مذکور کا اپنے آپ پہ فتوی:

خطیبِ مذکور پر سب سے پہلے گرفت لفظِ "خطا" کے حوالے سے کی گئی تو اس کے دفاع میں موصوف نے لفظِ خطا کے اطلاق کو تو جائز ٹھہرایا، لیکن اس کے تمام تر مترادفات حتیٰ کہ لفظِ "غلطی" کے اطلاق کو بھی ناجائز کہا۔

موصوف کی گفتگو ملاحظہ ہو:

تو یہ یاد رکھیں: جو شخص لفظِ گناہ، لفظِ قصور، لفظِ نقص، لفظِ غلطی، لفظِ خطاکار، یا خاطی، یہ بول کر ہمارے بیان کا حوالہ دے رہا ہے وہ مجرم ہے۔۔۔ یہ جو لفظِ خطا ہے اگر اس لفظ کو کوئی مترادف سمجھتا ہے معاذ اللہ مترادف گناہ کا، غلطی کا، سیئہ کا، نقص کا، عیب کا، تو وہ پھر اپنا منہ بند رکھے۔ کبھی بھی لفظِ خطا نہ بولے۔۔۔ غلطی، جرم، قصور ان لفظوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔(انتھی)

لیکن عدالتِ صدیقِ اکبر سیمینار میں سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے لفظِ "غلطی" کا اطلاق بھی کر ڈالا، ملاحظہ ہو:

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اگر یہ دلیل پیش کی تھی تو پھر بھی معصوم نہیں تھیں، غلطی ہو گئی۔(انتھی)

یعنی جس لفظ کے اطلاق کو ایک مقام پہ منع کر رہے ہیں، زمین آسمان کا فرق بتا رہے ہیں، منہ بند رکھنے کا حکم جاری کر رہے ہیں، دوسرے مقام پہ اسی کی نسبت جانِ خیر الوریٰ ﷺ کی طرف کر بھی رہے ہیں۔ گو اہلِ علم کے ہاں "غلط اور خطا" ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں۔ لیکن خطیبِ مذکور نے لفظِ "خطا" جائز جبکہ لفظِ "غلطی" ناجائز بتانے کے باوجود خود دوسرے مقام پہ یہی اطلاق سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے کیا۔ **فلہذا** موصوف کے حامیوں کو چاہیے کہ وہ امتِ مسلمہ کے دیگر اہلِ علم کی بات نہیں مانتے تو کم از کم خود خطیبِ مذکور ہی کی بات کو تسلیم کر لیں۔۔۔!!!

علماء کرام سے تمسخر:

خطیبِ مذکور کی اس بے ادبی کی خبر جب سوشل میڈیا کے ذریعے ہر طرف پھیل گئی تو کئی علماء نے خطیبِ مذکور سے توبہ ورجوع کا مطالبہ کیا انہی میں ایک بڑا نام وارثِ علومِ غزالئ زماں حضور قبلہ سید ارشد سعید کاظمی شاہ صاحب کا بھی ہے۔ بعد ازاں حضرت قبلہ علامہ پیر سید نوید الحسن شاہ صاحب مشہدی (بھکھی شریف) ، قبلہ پیر سید کرامت علی شاہ صاحب (علی پور شریف) ، استاذ الاساتذہ قبلہ علامہ عبد الستار سعیدی (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور) ، موصوف کے اپنے استاذِ گرامی قبلہ شیخ الحدیث مفتی ظہور احمد جلالی صاحب (مانگا منڈی) ، حضرت قبلہ پیر میاں ولید احمد شرقپوری صاحب (شرقپور شریف) اور دیگر اکابر اہلِ علم ان کے ادارے میں تشریف لے گئے اور اہلسنت کے وسیع مفاد کے پیشِ نظر خطیبِ مذکور کو اپنی غلطی سے توبہ ورجوع کے لیے منانے کی کوشش کی۔ لیکن بجائے اس کے کہ موصوف اپنی غلطی کو سمجھتے اور توبہ کی راہ اختیار کرتے ، غلطی پر متنبہ کرنے والے علماء پر ان کی طرف سے طرح طرح کے جملے کسے گئے اور کسے جا رہے ہیں۔

خود انہوں نے اپنی ایک گفتگو میں علماء کو:

"چور، برساتی لوگ ، چوروں کے چیلے ، محاذ کے بھگوڑے، حملہ آوروں کے ساتھی، دشمن، علمی یتیم، ڈگڈگی بجانے والے ، یتیم مفتی، بھونڈے لوگ، رافضی چرنوں میں چرنے والے، کتوں اور ککڑوں کی لڑائیوں میں مصروف"

اور اس کے علاوہ بہت کچھ صرف "ایک خطاب" میں بولا۔

دیگر خطابات میں بھی اپنے مخالف علمائے اہلِسنت پر طعن وتشنیع میں مصروف رہتے ہیں،

جیسے: "ان کا دھندہ رک رہا ہے، لونڈے، بھونک بھونک کر، اگر یہ یونہی مر گئے ان کا جنازہ کون پڑھے گا، مناظرہ ان کی بے بے کرے گی، اہلِ علم کو تو حیاء کرنی چاہیے، توہین بنانے کے لیے دھندہ کیا، کمینوں، علم کے یتیم خانوں میں رہنے والے، پنڈی کے علاقے کے حیوان چھوٹے چھوٹے مفتی، کئی منزلہ پگڑیاں باندھنے والے، ان کو اسی کوڑے مار کر پھر 295 سی کا معاملہ ان پر پورا کرو"

اور نہ جانے کیسی کیسی باتیں " صحیح العقیدہ علمائے اہلسنت" کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ انداز کسی ایک تقریر کا نہیں، خطیبِ مذکور کا وتیرہ ہے کہ اپنے مقابل علمائے اہلسنت کے لیے انتہائی معیوب الفاظ استعمال کرتے ہیں علماء کی توہین و تحقیر کرتے ہیں، اور اس میں بڑے چھوٹے کسی کا کوئی لحاظ نہیں کرتے۔ حالانکہ علمائے حق کی توہین و تحقیر بعض اوقات کفر تک پہنچ جاتی ہے۔ مجمع الانھر میں ہے:

والاستخفاف بالاشراف والعلماء كفر(75)

سادات اور علماء کی تحقیر کفر ہے۔

اسی میں ہے: من قال للعالم عويلم اولعلوى عليوى قاصدابه الاستخفاف كفر(76)

جو شخص تحقیر کے ارادہ سے عالم کو عویلِم (او مولویا) یا علوی کو عُلَیوی کہے کافر ہو جائے گا۔

اسی میں ہے: ولوشتم فم عالم فقيه اوعلوى يكفر(77)

اگر فقیہ عالم یا علوی کے دہن کو گالی دی، کافر ہو جائے گا۔

مزید فرمایا: ومن بغض عالمابغيرسبب ظاهر خيف عليه الكفر(78)

جو کسی عالم سے بغیر کسی ظاہری سبب کے بغض رکھے اس پہ کفر کا اندیشہ ہے۔

---

(75): (مجمع الانھر شرح ملتقی الابھر 4/429)

(76): (مجمع الانھر شرح ملتقی الابھر 4/430)

(77): (مجمع الانھر شرح ملتقی الابھر 4/431)

(78): (مجمع الانھر شرح ملتقی الابھر 4/431)

اعلیحضرت فرماتے ہیں:

عالم دین کی شان میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے والوں کو یہی بس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ایسوں کو کھلا منافق بتایا۔(79)

دوسرے مقام پہ فرمایا:

ایسے شخص کی نسبت حدیث فرماتی ہے منافق ہے، فقہاء فرماتے ہیں کافر ہے۔(80)

ایک اور مقام پہ فرمایا:

عالم دین سے بلاوجہ ظاہر بغض رکھنے پر خوف کفر ہے نہ کہ جب کہ وہ بغض ان کا فتوٰی شرعی ہو۔ منح الروض وغیرہ میں ہے:

من ابغض عالما بغیر سبب ظاہر خیف علیه الکفر

جو سبب ظاہری کے بغیر کسی عالم سے بغض رکھے اس پر کفر کا خوف ہے۔

عالم دین کی توہین کھلے منافق کا کام ہے اور فقہ میں ان پر حکم کفر۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایستخف بحقهم الامنافق بین النفاق ذوالعلم وذوالشیبة فی الاسلام وامام مقسط

تین آدمیوں کی بے ادبی وتوہین کرنے والا اعلانیہ منافق ہے:صاحب علم، مسلمان بوڑھا اور عادل حاکم۔(81)

---

(79):(فتاوی رضویہ14/152)

(80):(فتاوی رضویہ 14/ 269)

(81):(فتاوی رضویہ14/382)

ایک اور مقام پہ فرمایا:

علمائے دین کی توہین کفر ہے۔

پھر حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اس شخص پر تجدید اسلام لازم ہے اور اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرے۔(82)

ایک مقام پہ فرمایا:

یونہی عالم دین سنی صحیح العقیدہ داعی الی اللہ کی توہین کفر ہے۔

چند سطور بعد فرمایا:

مگر یہ اوپر بتادیا گیا اور واجب اللحاظ ہے کہ عالم دین وہی ہے جو سنی صحیح العقیدہ ہو، بدمذہبوں کے علماء علمائے دین نہیں۔(83)

ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

فقہائے کرام توہین عالم راکفرداشتہ اند(84)

تئیسویں جلد میں ہے:

اور عالمان دین کی اہانت کفر ہے۔۔۔۔اور عالم دین سے بلاوجہ بغض رکھنے میں بھی خوف کفر ہے اگرچہ اہانت نہ کرے۔فتاوی خلاصہ وغیرہا میں ہے:

من ابغض عالما بغیر وجه ظاهر خیف علیه الکفر

جس نے کسی عالم سے بغیر کسی وجہ ظاہر کے دشمنی رکھی تو اس پر کفر کا اندیشہ

---

(82):(فتاوی رضویہ14/604)

(83):(فتاوی رضویہ14/614)

(84):(فتاوی رضویہ14/644)

ہے۔(85)

آج معاشرے کو دیکھا جائے تولوگ علمائے اہلسنت کے خلاف بولنے میں کسی طرح کا کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔اس کا ایک سبب اس قسم کے خطیب حضرات کا طرزِ عمل بھی ہے۔ جب یہ لوگ اپنے مقابل صحیح العقیدہ سنی عالم کے لیے اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو لوگوں کی نظروں سے سامنے والے عالم کی عزت واحترام نکل جاتا ہے اور وہ بھی علماء کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنے میں جری ہوجاتے ہیں۔ اور یقیناً اس کا وبال اُن علماء پر ضرور ہو گا جو عوام کی نظروں میں علماء کی عزت واحترام گھٹانے میں اپنا حصہ شامل کرتے ہیں۔ فان من سن سنة شر فاتبع عليها كان عليه وزره ومثل أوزار من اتبعه غير منقوص من أوزارهم شيئا

بہر حال: خطیبِ مذکور کا یہ عمل حرام حرام سخت حرام ہے، اس سے خطیبِ مذکور کو توبہ واجب۔

---

(85):(فتاویٰ رضویہ23/ 708)

ساداتِ کرام سے تمسخر:

علمائے کرام سے تمسخر کے علاوہ وہ ساداتِ کرام جنہوں نے خطیبِ مذکور کو ان کے اس جملے سے توبہ ورجوع کی دعوت دی، ان ساداتِ کرام پر بھی نازیبا الفاظ کسنا مذکور خطیب کا وتیرہ ہے۔ اس سلسلے میں بھی میں اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو پیش کرنا چاہوں گا، ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

سنی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے، صحیح حدیث میں ہے :

ستّة لعنتهم لعنهم الله وكل نبى مجاب الزائد فى كتاب الله والمكذب بقدرالله والمستحل من عترتى ماحرم الله الحديث

چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ،اللہ اُن پر لعنت کرے، اور نبی کی دعا قبول ہے ازانجملہ ایک وہ جو کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھائے اور وہ جو خیر وشر سب کچھ اللہ کی تقدیر سے ہونے کا انکار کرے اور وہ جو میری اولاد سے اس چیز کو حلال رکھے جو اللہ نے حرام کیا۔

اور ایک حدیث میں کہ ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وسلم:

من لم يعرف حق عترتى فلاحدى ثلث امّا منافق وامّا ولدزانية واما حملته امّه علٰى غير طهر

جو میری اولاد کا حق نہ پہچانے وہ تین باتوں میں سے ایک سے خالی نہیں، یا تو منافق ہے یا حرام یا حیضی بچہ۔

مجمع الانہر میں ہے :

من قال لعالم عويلم اولعلوى عليوى استخفافا فقد كفر

جو کسی عالم کو "مولویا" یاسید کو "میروا" اس کی تحقیر کے لئے کہے وہ کافر

ہے۔
اور اس میں شک نہیں جو سید کی تحقیر بوجہ سیادت کرے وہ مطلقاً کافر ہے اس کے پیچھے نماز محض باطل ہے ورنہ مکروہ، اور جو سید مشہور ہو اگرچہ واقعیت معلوم نہ ہو اسے بلادلیل شرعی کہہ دینا کہ یہ صحیح النسب نہیں اگر شرائط قذف کا جامع ہے توصاف کبیرہ ہے اور ایسا کہنے والا اسّی کوڑوں کا سزاوار، اور اس کے بعد اس کی گواہی ہمیشہ کو مردود، اور اگر شرط قذف نہ ہو توکم ازکم بلاوجہ شرعی ایذائے مسلم ہے اور بلاوجہ شرعی ایذائے مسلم حرام، قال اللہ تعالٰی :
والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنٰت بغیر ما اکتسبوا فقداحتملوا بھتانا واثما مبینا
جولوگ ایماندار مردوں اورایماندارعورتوں بغیراس کے کہ انہوں نے (کوئی معیوب کام) کیاہو ان کادل دکھاتے ہیں توبیشک انہوں نے اپنے سرپربہتان باندھنے اور صریح گناہ کابوجھ اٹھالیا۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وسلم فرماتے ہیں :
من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ
جس نے بلاوجہ شرعی سنی مسلمان کو ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ عزوجل کو ایذادی۔ والعیاذباللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم(86)
ایک شخص نے ساداتِ کرام کو گالی گلوچ کی اور یہ سوال اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کے پاس آیا

(86):(فتاوی رضویہ 24 / 331, 332, 333)

تو آپ نے جواباً فرمایا:

ایسے شخص کو از سر نو تجدید اسلام چاہئے اور اگر عورت رکھتا ہو تو اس سے بعد توبہ و تجدید اسلام پھر نکاح کرے کہ علمائے کرام نے ایسے شخص پر حکمِ کفر فرمایا ہے۔(87)

پوچھا گیا:

جو لوگ سیدوں کو کلمات بے ادبانہ کہا کرتے ہیں اور ان کے مراتب کو خیال نہیں کرتے بلکہ کلمہ تحقیر آمیز کہہ بیٹھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

اعلیحضرت نے جواباً فرمایا:

سادات کرام کی تعظیم فرض ہے۔ اور ان کی توہین حرام بلکہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا جو کسی عالم کو مولویا یا کسی کو میروا بروجہ تحقیر کہے کافر ہے۔ مجمع الانہر میں ہے

الاستخفاف بالاشراف والعلماء كفر ومن قال لعالم عويلم اولعلوى عليوى قاصدا به الاستخفاف كفر

سادات کرام اور علماء کی تحقیر کفر ہے جس نے عالم کی تصغیر کرکے عویلم یا علوی کو علیوی تحقیر کی نیت سے کہا تو کفر کیا۔

بیہقی امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ سے اور ابو الشیخ و دیلمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم يعرف حق عترتى والانصار والعرب فهو لاحدى ثلاث اما منافقا واما لزنية واما لغير طهور

جو میری اولاد اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین علتوں سے خالی نہیں۔ یا تو منافق ہے

---

(87):(فتاوی رضویہ14/241)

یا حرامی یا حیضی بچہ۔

هذا لفظ البيهقى من حديث زيد بن جبير عن داؤد بن الحصين عن ابن ابى رافع عن ابيه عن على رضى الله تعالٰى عنه ولفظ غيره امامنا فق واما ولد زنية واماامرء حملت به امه فى غير طہر

(یہ بیہقی کے الفاظ زید بن جبیر نے اپنے والد کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کئے دوسروں کے الفاظ یوں ہیں: یا منافق، یا ولدِ زنا یا اس کی ماں نے ناپاکی کی حالت میں اس کا حمل لیا۔ت) (88)

اپنے آپ کو امامِ اہلسنت اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کا روحانی وارث اور مسلکِ رضا کا پاسبان سمجھنے والے ان جملوں پہ غور کریں۔ امامِ اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ ساداتِ کرام کے ادب کے معاملے میں کس محتاط مقام پہ کھڑے ہیں، اور خطیبِ مذکور اور موصوف کے حامی ساداتِ کرام کی بے ادبی کے بہانے ڈھونڈتے نظر آتے ہیں۔

اعلحضرت فرماتے ہیں:

اور سادات کرام کی تعظیم ہمیشہ جب تک ان کی بد مذہبی حد کفر کو نہ پہنچے(89)

ؔ ببیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا

بہر حال:

یہ کلام تو خطیبِ مذکور سے متعلق ہے، رہی بات ان لوگوں کی جو خطیبِ مذکو کے حامی اور سادات کی بے ادبی کے معاملے میں اس کے معاون ہیں، ان کی بابت اعلیحضرت رحمہ اللہ

---

(88):(فتاوی رضویہ22/415)

(89):(فتاوی رضویہ22/415)

تعالٰی کی یہ گفتگو ملاحظہ ہو، فرمایا:

رہے اس کے معاونین خواہ مولوی کہلاتے ہوں یا سیٹھ اگر خود ان کلمات ملعونہ میں اس کے معاون ہیں یا ان کو جائز رکھتے ہیں یا ہلکا جانتے ہیں تو ان سب کا بھی یہی حکم ہے جو اس کا ہے، اور اگر ایسا نہیں جب بھی ایسے شخص کے ساتھ میل جول کے سبب عاصی و مخالف حکم شرع ہیں۔ قال اللہ عزوجل:

واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعدالذکری مع القوم الظلمین

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔

قال اللہ عزوجل :

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔ والعیاذ باللہ تعالٰی: واللہ تعالٰی اعلم(90)

الحاصل: خطیبِ مذکور کا کوئی اور گناہ نہ ہو جب بھی صرف ساداتِ کرام کی بے توقیری کے جرم کی وجہ سے وہ شدید حرام کا مرتکب اور اس پہ توبہ لازم اور جن سادات کی بالخصوص بے ادبی کی ہے ان سے معافی مانگنا بھی از حد ضروری، اور جیسے گناہ اعلانیہ ہے یونہی توبہ بھی اعلانیہ ہونا لازمی، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم:

وإذا عملت سوءا فأحدث له توبة ، السر بالسر والعلانية بالعلانية(91)

جب تو برائی کرلے تو اس سے توبہ کر، پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ اور اعلانیہ گناہ کی اعلانیہ توبہ۔

---

(90):(فتاوی رضویہ14/241 ,242)

(91):(مصنف ابن ابی شیبۃ34325، المعجم الکبیر للطبرانی331، 374، المسند للشاشی1400، حلیۃ الاولیاء 1/241)

مخالفین کو رافضی قرار دینا:

خطیبِ مذکور اور موصوف کے حامی اپنے مخالفین صحیح العقیدہ علماء ومشائخِ اہلسنت کو رافضی کہتے ہیں۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ رافضی اگر سارے کے سارے نہیں تو ان کی ایک بڑی اکثریت قطعیات کے منکر، خارج از دائرۂ اسلام ہیں۔ تو رافضی کہنا نہ ہوا مگر کافر کہنا۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

أيما رجل قال لأخيه يا كافر، فقد باء بها أحدهما(92)

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو"اے کافر" کہے،تو کفر کسی ایک کی طرف پلٹتا ہے۔

یونہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی مروی ہے۔(93)

اس سلسلے میں اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

جمہور ائمہ کرام فقہائے اعلام کا مذہب صحیح ومعتمد ومفتی بہ یہی ہے کہ جو کسی ایک مسلمان کو بھی کافر اعتقاد کرے خود کافر ہے، ذخیرہ وبزازیہ وفصول عمادی وفتاوٰی قاضی خاں وجامع الفصولین وخزانۃ المفتین و جامع الرموز وشرح نقایہ برجندی وشرح وہبانیہ ونہرالفائق ودرمختار ومجمع الانہر واحکام علی الدرر وحدیقہ ندیہ و عالمگیری وردالمحتار وغیرہا عامہ کتب میں اس کی تصریحات واضحہ کتب کثیرہ میں اسے فرمایا:

المختار للفتوی

فتوٰی کے لیے مختار ہے۔

---

(92):(صحیح بخاری6104، صحیح مسلم60)

(93):(صحیح بخاری6103)

شرح تنویر میں فرمایا:

به یفتی

اس پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔

یہ افتاءو تصحیحات اس قول اطلاق کے مقابل ہیں کہ مسلمانوں کو کافر کہنے والا مطلقا کافر اگرچہ محض بطور دشنام کہے نہ از راہ اعتقاد، جامع الفصولین میں ہے:

قال لغیره یا کافر قال الفقیه الاعمش البلخی کفر القائل وقال غیره من مشائخ بلخ لایکفر فاتفقت هذه المسألة ببخاری اذ اجاب بعض ائمة بخارٰی انه کفر فرجع الجواب الی بلخ فمن افتی بخلاف الفقیه الاعمش رجع الی قوله وینبغی ان لایکفر علی قول ابی اللیث وبعض ائمة بخاری والمختار للفتوٰی فی جنس هذه المسائل ان قائل هذه المقالات لو ارادالشتم ولایعتقد کافرا لایکفر ولو اعتقد کافر ا کفر ۱ ؎اھ اختصارا

کسی نے غیر کوکہا "اے کافر" امام اعمش فقیہ بلخی نے فرمایا وہ کافر ہوگیا، اوران کے علاوہ دیگر مشائخ نے فرمایا: وہ کافر نہ ہو گا، اوریہی مسئلہ بخارٰی میں پیش آیا تو بخاری کے بعض ائمہ نے فرمایا: وہ کافرہوگیا۔جب یہ جواب بلخ پہنچا تو جن لوگوں نے امام اعمش فقیہ کے خلاف فتوٰی دیا تھا انھوں نے رجوع کرکے اعمش کے قول سے اتفاق کرلیا، اور ابولیث اور بخاری کے بعض ائمہ کے نزدیک کافر نہ کہنا مناسب ہے جبکہ اس قسم کے مسائل میں فتوٰی یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے نے اگر گالی مراد لی ہو اور کفرمراد نہ لیا تو کافر نہ ہو گا۔اوراگر اس نے کفر کا اعتقاد کیا تو وہ کا فر ہے اھ اختصارا

تو فقہائے کرام کے قول کے مطلق و حکم مفتی بہ دونوں کے رو سے بالاتفاق

ان پر حکم کفر ثابت ،اور یہی حکم ظواہر احادیث صحیحہ سے مستفاد۔(94)

اقول:اگر فتویٰ رفض کو فتویٰ کفر پہ محمول کیاجائے تواب اس گروہ کا معاملہ خوارج جیساہو گا ،جو اپنے علاوہ تمام امت کو کافر سمجھتے ہیں،بنابریں ہمارے فقہاءِ کرام کے نزدیک اس گروہ کی تکفیر لازم،فتاوی بزازیہ میں ہے:

یجب اکفار الخوارج فی اکفارھم جمیع الا مة سواھم (95)

اپنے ہم مذہب کے علاوہ پوری امت کو کافر کہنے کی وجہ سے خوارج کو کافر کہنا واجب ہے۔

ثم اقول:

اعتقاد امر باطن اور اس کا علم خالقِ ظاہر وباطن کو یاوہ جسے اطلاع دے۔لیکن قرائنِ صحیحہ قائم کہ خطیبِ مذکور اور اس کے حامی اپنے مخالفین کو رافضی محض بطورِ دشنام نہیں کہتے۔اگر محض اسی قدر ہو تاتو اپنے مخالفین کے خلاف تحریکیں نہ چلائی جاتیں،ان کے خلاف پروپیگنڈہ نہ کیا جاتا،ان سے متعلق عوام کو متنفر نہ کیا جاتا،ان کی گمراہی وبے دینی کے فتوے نہ دیئے جاتے،عوام کو متنفر کرنے کے لیے ان کی گفتگو اور خطابات سے باتیں توڑ مروڑ کر پیش نہ کی جاتیں۔۔۔یہ سب اور ان جیسے ان گنت امور قرائنِ واضحہ کہ خطیبِ مذکور اور ان کے حامی اپنے تمام مخالفین کو باقاعدہ رافضی اعتقاد کرتے ہیں ، لہذا ان پر وہ حکم نہیں لگے گا جو محض گالی کی نیت سے رافضی کہنے پر لگتا ہے۔واللہ عز اسمه اعلم

بہر حال:

اگر فتویٰ رفض کو فتویٰ کفر پہ محمول نہ کیا جائے جب بھی اپنے علاوہ تمام صحیح العقیدہ اہلسنت علماء ومشائخ کو رافضی کہنے والے کم ازکم ناصبی وخارجی ضرور کہلائیں گے۔اس سلسلے میں اعلیحضرت

---

(94):(فتاوی رضویہ 11/ 379،380)

(95):(فتاوی بزازیہ 6/318)

رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا:
جو شخص "علمی" کو رافضی کہے اس کے حق میں کیا حکم ہے اوراس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور اس کا مرید ہونا کیسا ہے؟
اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
مولٰنا محمد حسن علمی بریلوی رحمۃاللہ علیہ سُنّی صحیح العقیدہ اور واعظ وناصح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مداح اور میرے حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے شاگرد تھے انھیں رافضی نہ کہے گا مگر کوئی ناصبی یا خارجی۔(96)
اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کا یہ فتوی صرف ایک سنی عالمِ دین کو رافضی کہنے والوں کے بارے میں ہے۔۔۔ تو جو لوگ سینکڑوں ہزاروں علماءِ اہلسنت کو رافضی قرار دیں۔ بلکہ ہر اس کو رافضی بولیں جو فکری طور پر ان کا مخالف ہے، تو کیا یہ لوگ ناصبی وخارجی قرار نہیں پائیں گے؟

(96):(فتاوی رضویہ 8/ 444)

مزید بر آں:

خطیبِ مذکور نے اپنے کہی ہوئی بات کا دفاع کرتے ہوئے کچھ ضوابط وضع کیے۔ ان میں سے ایک ضابطہ کو عربی الفاظ میں یوں پڑھا

"ان الامکان اذا کان متعلقا بالماضی کان مستلزما للوقوع"

پھر خود جو ترجمہ کیا وہ یہ ہے:

"ماضی کے ساتھ جب امکان شی کا تعلق ہو تو وہ اس شی کے وقوع کو مستلزم ہوتی ہے" (انتھی)

اپنی تائید میں فتاوی رضویہ کی عبارت پڑھتے ہوئے کہا

"امکانِ کذب اس کی فعلیت بلکہ دوام بلکہ ضرورت کو مستلزم ہے"(انتھی)

پھر اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا

بولنے والے نے صرف امکانِ کذب کہا تو لازم کیا آئے گا؟ فعلیتِ کذب، دوامِ کذب، ضرورتِ کذب۔(انتھی)

اسی دوران خطیبِ مذکور نے ان پر اعتراض کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا

ان لوری دینے والوں کو کیا پتا ہے کہ استلزام کیا ہے، استلزام کی قسمیں کیا ہیں اور امکانِ خطا کا مطلب وقوعِ خطا ہے۔۔۔اور امکانِ خطا مستلزم ہے وقوعِ خطا کو۔۔۔امکانِ خطا مانے بغیر وقوعِ خطا مانے بغیر، یہ کونسے لوگ ہیں جنہیں اتنا سینس نہیں ہے۔(انتھی)

پھر کہنے لگے:

میں نے جو عربی عبارت پڑھی ہے اس کے مقابلے میں عبارت لائیں کہ:"ماضی کے ساتھ جب امکان شی کا تعلق ہو تو وہ اس شی کے وقوع کو مستلزم ہوتی ہے"، صرف امکان امکان

نہیں ہوتا،ہاں مستقبل کا معاملہ اور ہے،ماضی اور حال کا معاملہ اور ہے۔(انتھی)

اقول: خطیبِ مذکور نے اپنی غلطی کے دفاع کی خاطر ایک ایسا غلط ضابطہ وضع کیا ہے جو نہ زمین میں سمائے نہ آسمان میں۔ تالیس ملطي، اَنکساغورس ، اَنکسیمانس ، انباذقلیس ، فیثاغورس ، سقراط ، اَفلاطون سے لے کر فلوطرخیس ،بقراط ، دیمقریطیس سے گزرتے ہوئے فارابی ، ابو علی ابنِ سینا اور بعد والوں کو بھی ساتھ ملا لیا جائے جب بھی اس ضابطہ کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

اس قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق"ماضی میں ممکن چیزوں کو وقوع لازم"

یعنی ماضی میں بلکہ ازل میں عالم کا وجود ممکن جسے وقوع لازم تو کائنات ازلی۔۔۔

سورج چاند ستاروں کا فنا ماضی میں ممکن جسے وقوع لازم تو سورج چاند ستارے سب فنا ہو چکے۔۔۔

ہم سب کا مرنا ماضی میں ممکن جسے وقوع لازم تو ہم سارے مر چکے۔۔۔

قیامت کا قیام ماضی میں ممکن جسے وقوع لازم تو قیامت قائم ہو چکی۔۔۔

سورج،چاند،ستاروں اور زمین کا آپس میں ٹکرانا ممکن جس کو وقع لازم تو یہ ٹکراو ہو چکا۔۔۔

یہ کونسا ضابطہ ہے؟ یہ کونسی عقلی دلیل ہے جس کی بنیاد پہ دوسروں پر طعن کیا جارہا ہے؟

اور پھر خطیبِ مذکور تو وقوع تک نہیں رہے۔ اعلیحضرت کے فتاوی سے مسئلہ امکانِ کذب میں بولے جانے والے جملہ: "امکانِ کذب اس کی فعلیت بلکہ دوام بلکہ ضرورت کو مستلزم ہے" کو بھی اپنے لیے بطورِ تائید لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ: "ماضی میں جو چیز ممکن وہ صرف ممکن نہیں بلکہ واقع بلکہ دائمی بلکہ ضروری"

طامہ کبریٰ:

بات خطیبِ مذکور کے غلط جملوں سے چلی تھی جنہیں درست ثابت کرتے کرتے موصوف نہ جانے کہاں تک پہنچ گئے۔ موصوف کا وضع کردہ ضابطہ صرف غلط نہیں بلکہ انتہائی انتہائی خطرناک بھی ہے۔

کیونکہ موصوف اس ضابطہ کو عمومی گفتگو میں نہیں بیان کر رہے، بلکہ جب اعتراض ہوا کہ "حضورِ اعلیٰ سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب نے تو خطا کے امکان کی بات کی ہے اور آپ نے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطا کے وقوع کا قول کیا ہے"

تو اس کے جواب میں موصوف نے یہ ضابطہ "عطا" فرمایا اور اس پہ بھرپور زور دیا کہ حضورِ اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب نے اگرچہ امکان کی بات کی ہے لیکن امکان کو وقوع لازم تو پھر قطبِ دوراں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی بات بھی وقوع ہی سے متعلق ٹھہری۔۔۔

گرہمی مکتب و ہمی مُلا
کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

اور پھر وقوع پہ رکنے کے بجائے سفر تحقیق جاری رکھتے ہوئے دوام وضرورت کا بھی قول کر بیٹھے۔

پس جب آپ اس ضابطہ کو اس تناظر میں دیکھیں، جس تناظر میں خود خطیبِ مذکور نے اسے پیش کیا تو اب سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب کی گئی خطا کی نسبت کے معنی بنیں گے:

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) "سیدہ کا وصفِ خطا بالفعل بلکہ دائمی تھا یعنی جب تک سیدہ موجود رہیں دائمی طور پر خطا سے موصوف رہیں اور صرف

دوام نہیں بلکہ سیدہ کا خطا سے موصوف ہونا ایسا ضروری تھا جیسا آپ کے لیے جسمیت ، نمو ، احساس ، تحرک بالارادہ ضروری تھے۔۔۔۔!!!"

انا للہ وانا الیہ راجعون ، اللہم انا نبرء الیک عما فعل السفہاء منا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

خطیبِ مذکور نے بات یہیں ختم نہیں کی ، بلکہ متصلا بعد انبیاءِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام سے "خطا فی التعبیر" کے مسئلہ کو لے کر آئے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ:

"خطا فی التعبیر تو نبیوں سے بھی ممکن ہے"

اب اگر اس گفتگو کو خطیبِ مذکور کے بیان کردہ ضابطہ کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے:

"خطا فی التعبیر نبیوں سے ممکن بلکہ بالفعل بلکہ نبیوں کے وجود کو یا وصفِ نبوت کے ساتھ دائمی بلکہ ضروری ممتنع الانفکاک۔۔۔"معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نقلِ کفر کفر نباشد

"خطا" کے کوئی سے معنی کر لیں ، اجتہادی یا اس سے بھی کوئی" ہلکے" معنی ، لیکن جب انبیاءِ کرام کی ذواتِ مقدسہ کے لیے"خطا" کو ضروری ممتنع الانکاک قرار دیا جائے گا تو کسی ایمان دار کو اس کے کفر ہونے میں شک نہیں رہے گا۔ اور یہ ایسا کفر ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا کافر بھی ایسا کفر بکتا نظر نہیں آئے گا۔اعاذنا اللہ من ذلک

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

تنبیہات:

اول:

واضح رہے کہ یہ لزومِ کفر موصوف کے اپنے وضع کردضابطہ کے سبب ہے۔ موصوف نے خود ضابطہ وضع کیا کہ:

"ماضی کے ساتھ جب امکان شی کا تعلق ہو تو وہ اس شی کے وقوع کو مستلزم ہوتی ہے" اور اس کے ساتھ یہ بھی ملایا کہ: "امکان کو فعلیت بلکہ دوام بلکہ ضرورت لازم" پھر متصلا بعد انبیاءِ کرام کے لیے خطا کو ممکن قرار دیا۔۔صرف ممکن نہیں بلکہ وقوع پہ زور دیا۔۔۔ پس نتیجہ وہ نکلا جسے ہم نے سطورِ بالا میں ذکر کیا۔

ثانی:

خطیبِ مذکور کی گفتگو کے ابطال کا مطلب یہ نہیں کہ امامِ اہلسنت اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو پر اعتراض کیا جارہا ہے۔ امامِ اہلسنت کی گفتگو بالکل بے غبار ہے۔ کیونکہ آپ کی گفتگو مسئلہ "امکانِ کذب" میں ہے اور اہلسنت کے ہاں "باری تعالی کے لیے کوئی حالتِ منتظرہ نہیں ہے۔ لہذا قولِ امکان پر فعلیت ضروری اور وہاں فعل ودوام ووجوب متلازم" اور یہ ساری باتیں ہماری کتبِ عقائد میں مصرح بلکہ خود فتاوی رضویہ شریف میں موجود۔

پس "امکانِ کذب" کا مطب بنا: "کذب کی فعلیت بلکہ دوام بلکہ ضرورت"

لیکن اس قاعدہ وضابطہ کا مخلوق کی ذوات وصفات سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر تعلق مانیں تو نظامِ کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ خطیبِ مذکور نے فتاوی رضویہ میں عبارت ڈھونڈ نکالی تو سمجھ لیا کہ خزانہ حاصل ہو گیا اور سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء کی ذاتِ عالیہ کے لیے "امکانِ خطا" کی نسبت کے دوران اسے بیان کر ڈالا اور اس کے ساتھ انبیاءِ کرام علی نبینا

وعلیہم الصلوۃ والسلام سے "امکانِ خطا فی التعبیر" کا مسئلہ بھی جوڑ دیا، جس کے معنی بدترین کفر تک جا پہنچے۔

ثالث:

یہ کفری معنی خطیبِ مذکور کی گفتگو سے لازم آرہے ہیں جنہیں موصوف کی گفتگو کی سنگینی کے اظہار کی خاطر ذکر کیا گیا، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس معنی کی بنیاد پر خطیبِ مذکور کو کافر ٹھہرایا جارہا ہے۔معاذ اللہ من ذلک

رابع:

ظاہر یہ ہے کہ یہ قاعدہ خطیبِ مذکور کی عقلیات میں بے مائیگی کا نتیجہ ہے۔لہذا موصوف کو اس ضابطہ کا معتقد نہیں سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر واقعی خطیبِ مذکور اس ضابطہ کا اعتقاد رکھتا ہے تو صرف اسی ایک ضابطہ کے اعتقاد کی وجہ سے خطیب مذکور خارج ازاہلسنت ٹھہرے گا۔ کیونکہ اب اختلاف معنی "جزئی" میں نہ رہے گا بلکہ "معنی کلی" میں ہو جائے گا اور اہلسنت وجماعت سے معنی کلی میں اختلاف خروج ازاہلِسنت کا باعث ہے۔شاطبی فرماتے ہیں:

أن هذه الفرق إنما تصير فرقا بخلافها للفرقة الناجية في معنى كلي في الدين وقاعدة من قواعد الشريعة، لا في جزئي من الجزئيات، إذ الجزئي والفرع الشاذ لا ينشأ عنه مخالفة يقع بسببها التفرق شيعا، وإنما ينشأ التفرق عندوقوع المخالفة في الأمور الكلية، لأن الكليات تضم من الجزئيات غير قليل، وشأنها في الغالب أن لا تختص بمحل دون محل ولا بباب دون باب(97)

یہ فرقے فرقہ ناجیہ سے امورِ دینیہ میں معنی کلی اور قواعدِ شریعت کے کسی قاعدہ میں خلاف

---

(97)(الاعتصام3/139،140)

سے فرقے بنتے ہیں، نہ کہ جزئیات میں سے کسی جزئی میں۔ کیونکہ جزئی اور فرعِ شاذ سے ایسی مخالفت نہیں بنتی جس سے گروہ بندی ہو جائے، گروہ بندی امورِ کلیہ میں مخالفت سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ کلیات بہت سی جزئیات کو شامل ہوتے ہیں اور ان کا معاملہ یہ ہے کہ کسی ایک محل یا کسی ایک باب کے ساتھ خاص نہیں ہوتے۔

"خطا" بمعنی "خطا اجتہادی"

جب خطیبِ مذکور کا دائرہ تنگ کیا گیا اور گنتی کے چند لوگوں کے علاوہ ملک بھر سے علماء ومشائخ کی جانب سے توبہ ورجوع کا تقاضا کیا گیا تو خطیبِ مذکور کو توبہ کی توفیق تو نہ ملی۔ شاید اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

إن الله تعالى حجز التوبة عن كل صاحب بدعة(98)

بے شک اللہ جل وعز نے ہر بدعتی سے توبہ کی توفیق روک دی ہے۔(اعاذنا الله من ذلک وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ)

موصوف توبہ کے بجائے پہلے مرحلہ میں تو اپنی بات پہ ڈٹ گئے اور اہلِ علم کو چیلنج کر مارا کہ اگر پیر صاحب کی عبارت کے معنی وہ نہیں جو میں نے بیان کیے ہیں تو آپ لوگ کوئی دوسرے معنی بیان کر کے دکھائیں۔ موصوف کی گفتگو ملاحظہ ہو:

میں سب کو ببانگِ دہل کہہ رہا ہوں آپ کے پاس چند گھنٹے ہیں اگر رتی بھر بھی غیرت ہے دین کی آپ لوگوں کے اندر تو پیر مہر علی شاہ صاحب کی اس عبارت میں جو مخالفین کی دلیل اور اس کا جو جواب پیر صاحب نے دیا ہے یہ اپنے لفظوں میں یہ وضاحت کر کے دیں کہ پیر صاحب نے اس میں کیا لکھا ہے۔ اور اس کے بعد میں بتاوں گا کہ میں نے کوئی غلط بات کی یا جو پیر صاحب نے کہا میں نے وہ ذکر کیا۔۔۔لہذا جتنے بھی لوگوں کو جوشِ خطابت کا گھمنڈ ہے یا علم کا گھمنڈ ہے وہ پیر صاحب کی اس گفتگو کو بیان کر کے

---

(98):(شعب الایمان6846، 9010، 9011، السنۃ لابن ابی عاصم1 / 21، المجالسۃ وجواہر العلم2816 ،البدع لابن وضاح146)

واٹس ایپ کریں۔(انتہی)

اس کے ساتھ ہی موصوف نے اپنی غلطی کا بھرپور دفاع اور اعتراض کرنے والوں کا خوب مذاق اڑایا۔

لیکن جب انہیں اندازہ ہوگیا کہ یہ سب کچھ کر کے بھی ان کی جان چھوٹنے والی نہیں تو اب دوسرے مرحلہ میں عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے کہکہ: "خطا پر تھیں" میں میری مراد "خطا اجتہادی" تھی۔۔۔

جب خطیبِ مذکور مرحلہ وار یہاں تک پہنچے تو بعض حضرات جن میں سے بعض حقائق سے کماحقہ واقف نہ تھے، بعض اپنے پرائے کا فرق کرنے والے، اور بعض علوم میں سطحی حیثیت کے حاملین نے موصوف کی بات مان لی اور موصوف کو پچھلی بے ادبی سے بری الذمہ قرار دے ڈالا۔

اقول:

خطیبِ مذکور کی گفتگو میں خطا کے معنی خطا اجتہادی ہو سکتے ہیں یا نہیں، اس پہ گفتگو سے پہلے میں موصوف کو بری الذمہ قرار دینے والوں سے دو سوال کرنا چاہوں گا

پہلا سوال:

اگر ایک شخص دوسرے کو "سگ کا بیٹا" کہہ ڈالے اور بعد میں کہے کہ میری نیت "سگِ غوث ورضا کا بیٹا" کی تھی، یا کسی کو "اوئے غلام کے بیٹے" کہے، جب گرفت ہو تو کہے کہ "میری نیت غلام نبی کے بیٹے" کی تھی، کسی کو "ولدالحرام" کہنے کے بعد "حرام الدم والمال والعرض" کی تاویل کرے۔۔۔ کیا یہ بعد کی تاویل پہلی گفتگو کو گالی کے باب سے نکال دے گی؟؟؟

اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ایک شخص نے" جگر گوشۂ مصطفی ﷺ کی جانب" بڑی شد و مد کے ساتھ وقوعِ خطا و غلطی کی نسبت کا تکرار کیا۔۔اور "تاحال اپنی بات پہ ڈٹا" ہوا ہے اور اسے "اہلسنت کی ترجمانی" قرار دے رہا ہے، لیکن لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی خاطر ایک جملہ کہہ دیا کہ:"میرا مقصد خطا اجتہادی تھا"

کیا صرف اتنا کہہ دینا اس کی گزشتہ بے ادبی کو کیسے مٹا دے گا؟؟؟

دوسرا سوال:

مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں انتہائی ناپاک جملہ بولا تھا۔عبارت کچھ اس طرح تھی:

پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(یہ عبارت حفظ الایمان ص7،8 پہ موجود ہے،میرا ایمان اجازت نہیں دیتا کہ میں بطورِ حکایت ہی اس عبارت کو لکھوں۔)

جب مولوی اشرف علی تھانوی پہ گرفت ہوئی تو موصوف کی عبارت میں موجود لفظِ "ایسا" جو تشبیہ میں صریح ہے، اسے بمعنیٰ "اتنا" بتانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔لیکن علمائے اہلسنت نے ان تاویلات کو قبول نہیں کیا۔

جب موصوف اور اس کے ہمنواؤں نے سمجھا کہ ان کی یہ تاویلات کارگر نہیں تو مجبوراً حفظ الایمان کی عبارت کو بدلا اور نئی عبارت کچھ اس طرح تحریر کی:

اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے۔

مطلق بعض علومِ غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں۔(99)
میں موصوف کی اس نئی عبارت کو بھی بے غبار نہیں کہتا۔ لیکن میرا خطیبِ مذکور کی تاویل کو مان لینے والوں سے سوال ہے کہ:
کیا مولوی اشرف علی تھانوی کے عبارت بدل دینے سے موصوف کی گزشتہ عبارت سے متعلق نزاع ختم ہو گیا؟
کیا پہلی عبارت کو لے کر ان پہ لگائے جانے والے فتوی کو جلا کر راکھ کر دیا گیا؟
حالانکہ موصوف نے تو عبارت ہی بدل دی۔۔۔ پھر بھی ان کی پچھلی گفتگو کو لے کر نزاع وجدال کیوں؟؟؟
وجہ یہی ہے کہ موصوف نے پچھلی عبارت کا دفاع کیا، تاویلیں کیں، عبارت بدل ڈالی لیکن توبہ ورجوع نہیں کی۔ تو صرف عبارت بدلنے کا کچھ فائدہ نہیں جبکہ پہلی گستاخی کو حق اور درست سمجھتے رہے۔ اسی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خطیبِ پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:
پہلی عبارت جس کو بدلنے کے باوجود تھانوی صاحب "حق اور درست" مانتے ہیں۔(100)
مولوی اشرف علی تھانوی کے رجوع نہ کرنے کی وجہ سے نزاع وجدال ختم نہ ہوا۔ تو کیا خطیبِ مذکور نے توبہ ورجوع کر لیا؟
وہ تو کہتے ہیں:
معاذ اللہ اگر سیدہ پاک کے مقام ومرتبہ کے خلاف کسی لفظ کی آپ کی طرف

---

(99):(تغییر العنوان ص3)
(100):(تعارف علمائے دیوبند ص59)

نسبت کی گئی ہوتی تو کم از کم مجھ جیسے بندے کو تو سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی کہ تم رجوع کرو۔ کیونکہ ہم اس ملک کے اندر آدابِ رسالت آدابِ خاندانِ نبوت آدابِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم انہیں ہائی لائٹ کرنے کے لحاظ سے اپنا سب کچھ داؤ پہ لگائے ہوئے ہیں۔(خطاب18جون2020ء)

خطیبِ مذکور تو استعمال شدہ الفاظ کو شانِ سیدہ فاطمہ کے منافی ماننے کو تیار ہی نہیں ، پھر تاویل کر دینے یا بدل ڈالنے کو رجوع کیسے قرار دیاجا سکتا ہے ؟

اور آج سے دوماہ پہلے تک اس مسئلہ میں تمام اہلِ علم متفق بھی رہے۔۔۔ لیکن یہی کام جب خطیبِ مذکور نے کیاتو اب ضابطہ بدل گیا۔۔۔ کیوں ؟؟؟

مولوی اشرف علی تھانوی کے ماننے والوں نے تاویلیں کیں، موصوف نے عبارت بدل ڈالی لیکن رجوع نہیں قرار پایا۔ لیکن یہی انداز جب خطیبِ مذکور نے اختیار کیاتو اسے رجوع مان لیاگیا۔۔۔اس کی کیا وجہ ہے ؟؟؟

اس کا جواب تو وہی لوگ دیں گے جو خطیبِ مذکور کی اتنی بڑی جسارت کے بعد اپنی بات پہ ڈٹ جانے اور اسے اہلسنت کی فکر کی ترجمانی قرار دینے کے باوجود اس کے لیے تاویلات وتوجیہات کررہے ہیں، لیکن مجھے لگ رہاہے کہ جیسے ایک مخصوص طبقہ پر ہمارااعتراض رہا کہ وہ فتوی کے سلسلے میں اپنے پرائے کا فرق کرتے ہیں، شاید وہ عنصر اب اہلسنت کی طرف بھی منتقل ہوچکاہے۔والی اللہ المشتکی

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

کیا خطیبِ مذکور کی گفتگو میں "خطا/ غلطی" بمعنی "خطا اجتہادی" ہو سکتا ہے؟؟؟

مطلق بولے گئے لفظ سے کوئی خاص معنی مراد ہونے کے لیے عمومی طور پر"احتمال اور قرینہ" کافی قرار دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اہلِ علم جانتے ہیں کہ محض احتمال و قرینہ کافی نہیں بلکہ صحتِ ارادہ کے لیے ارتفاعِ موانع بھی لازم۔۔۔ اور ارتفاعِ موانع وہ امر لازم کہ اس کے بدون قرینہ کجا، لفظِ صریح بھی مہمل ہو جاتا ہے۔

تحذیر الناس میں ہے:

سو عوام کے خیال میں تو رسول ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں "وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟(101)

تحذیر الناس کے حمایتیوں کا دعوی ہے کہ اس عبارت میں مطلقا فضیلت کی نفی نہیں بلکہ فضیلتِ ذاتیہ کی نفی ہے۔ جس کے ارادہ پر قرینہ نہیں بلکہ اس کے لیےصریح لفظ "بالذات"موجود ہے۔ لیکن اہلِ علم نے ان حضرات کی اس گفتگو کو قبول نہیں کیا، اس لیے نہیں

---

(101):(تحذیر الناس ص3)

کہ لفظِ "بالذات" یہاں موجود نہیں، بلکہ اس لیے کہ یہ لفظ یہاں ہو کر بھی مہمل کے درجہ میں ہے۔ امامِ اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ نے اس عبارت کی تعریب کچھ اس طرح کی

وانما يتخيل العوام انه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين بمعنى اٰخر النبيين مع انهٗ لا فضل فيه اصلاً عند اهل الفهم۔ (102)

اس کی وجہ امامِ اہلسنت حضور غزالئ زماں قبلہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالی کی زبانی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے آخری نبی ہونا معاذ اللہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کو حضور کی مدح و تعریف میں بیان کیا جائے تو مطلقاً اس وصف مبارک میں فضیلت ہونے کا انکار ہوا۔ ایک عام انسان بھی جانتا ہے کہ مقام مدح میں ذکر کرنے کے لئے کسی وصف کا محض فضیلت ہونا کافی ہے عام اس سے کہ وہ بالذات ہو یا بالعرض۔ دیکھئے نانوتوی صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماسوا تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو بالذات نہیں بلکہ بالعرض مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں ان کے وصف نبوت کا ذکر مقام مدح میں جابجا وارد ہوا ہے جس کا انکار نانوتوی صاحب بھی نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ مقام مدح میں کسی وصف کے ذکر کی صحت اس کے بالذات فضیلت ہونے پر موقوف نہیں بلکہ مطلقاً فضیلت ہونا بھی صحت ذکر کے لئے کافی ہے۔

---

(102):(حسام الحرمین ص 100)

جب نانوتوی صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہونا محض عوام کا خیال ہے اور وہ اس صورت میں یعنی خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونے کی تقدیر پر لفظ خاتم النبیین کو مقام مدح میں بیان کئے جانے کو صحیح نہیں مانتے تو صاف ظاہر ہو گیا کہ ان کی عبارت میں بالذات کا لفظ بالکل مہمل اور بے معنی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے آخر النبیین ہونے میں ان کے نزدیک کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں، نہ بالذات نہ بالعرض۔ ورنہ وہ آخر النبیین کے معنی میں لفظ "خاتم النبیین" کے ذکر کو مقام مدح میں بلا تامل صحیح قرار دیتے۔ یہ ادعائے عدم صحت اس حقیقت پر آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ صاحب تحذیر الناس کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری نبی ہونے میں کوئی اصلاً فضیلت نہیں۔(103)

امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان اور امامِ اہلسنت غزالیٔ زماں سیدنا کاظمی شاہ صاحب کی گفتگو کے بعد کسی ذی فہم کو اس امر میں تردد نہ ہو گا کہ "صحتِ ارادہ کے لیے محض احتمال و قرینہ کافی نہیں، بلکہ ارتفاعِ موانع بھی لازم"

اس کی دوسری مثال ملاحظہ ہو، تحذیر الناس ہی میں ہے:

انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل سو اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔(104)

اس عبارت میں بھی لفظِ "بظاہر" صراحۃً موجود ہے، لیکن اس سلسلے میں بھی آفتابِ علم

(103): (التبشیر بردالتحذیر ص16)

(104): (تحذیر الناس ص5)

و تحقیق، غزالئ زماں امامِ اہلسنت قبلہ سید احمد سعید کاظمی رضی اللہ تعالی عنہ کی گفتگو ملاحظہ ہو:

اس عبارت میں نانوتوی صاحب نے انبیاء علیہم السلام کا اپنی امت سے ممتاز ہونا صرف علم میں منحصر فرمایا ہے۔ باقی رہے اعمال تو ان میں امتی کے مساوی ہو جانے بلکہ بڑھ جانے کو بھی تسلیم کر لیا ہے اور لفظ "بظاہر" محض بظاہر ہے۔ کیونکہ لفظ "ہی" کے ساتھ حصر ہو چکا جس میں ماسوا مذکور کی نفی ہوتی ہے تو اس کے ضمن میں امتیاز فی العمل کی نفی ہو چکی۔ اب لفظ "بظاہر" سے کیا فائدہ ہوا؟ یہاں یہ لفظ "بظاہر" ایسا ہی مہمل اور بے معنی ہے۔ جیسا کہ ص 3 کی عبارت میں لفظ "بالذات" بے معنی اور مہمل تھا۔(105)

(105):(التبشیر برد التحذیر ص29)

آمدم بر سرِ مطلب:

چونکہ اس مقام پہ لفظِ خطا / غلطی ایک مخصوص مسئلہ کی بابت ذکر کیا گیا۔ اگر وہ مسئلہ اجتہادیہ ہو تو خطا اجتہادی کا اطلاق درست ہو گا۔ اور اگر مسئلہ ہی اجتہادیہ نہ ہو تو اب جس محل میں لفظ بولا گیا اس میں "خطا اجتہادی" کی گنجائش نہ ہونے کے باعث اطلاق بھی درست نہ ہو گا۔ نیز اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اس مسئلہ میں خطا اجتہادی ہوئی ہی نہ ہو جب بھی اس لفظ کا اطلاق نادرست ہو گا۔ اور اگر بالفرض یہ دونوں باتیں پائی جائیں ، پھر بھی خطیبِ مذکور کی گفتگو حضورِ اعلی سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی کلام کی شرح میں ہے۔ لہذا حضورِ اعلی رضی اللہ تعالی عنہ کی گفتگو میں بھی اس معنی کے ارادہ کی گنجائش کا ہونا ضروری ہے ،اور آخر میں خود خطیب کی اپنی گفتگو کا سیاق وسباق بھی اس امر کی اجازت دے کہ اس کی گفتگو میں وارد ہونے والے لفظِ خطا سے خطا اجتہادی کا ارادہ ہو سکتا ہے۔

پس: خطیبِ مذکور کی گفتگو میں وارد ہونے والے لفظِ خطا سے خطا اجتہادی کے ارادہ اور اطلاق کی صحت کے لیے کم از کم چار امور ضروری ہیں:

1. مسئلہ اجتہادیہ ہو۔
2. سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اس میں خطا ہوئی ہو۔
3. خطیبِ مذکور جس کلام کی شرح کر رہا ہے ، اس کلام میں بھی اس معنی کے ارادہ کا احتمال ہو۔
4. خود خطیبِ مذکور کی گفتگو میں اس معنی کے ارادہ سے کوئی مانع نہ ہو۔

جب تک یہ امورِ اربعہ متحقق نہ ہوں گے ، خطیبِ مذکور کی گفتگو میں "خطا / غلطی" سے

"خطا اجتہادی" کا ارادہ اور اس لفظ کا اطلاق درست نہ ہو گا۔اور ان امورِ اربعہ کے تحقق کے ساتھ ساتھ:

5. "قرینہ صارفہ" کا وجود بھی ضروری ہے۔فان اللفظ لا يجوز حمله على غير ما وضع له إلا بدليل صحيح يمنع من إرادة الحقيقة

اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو خطیبِ مذکور کی متنازع گفتگو میں امورِ بالا میں سے کوئی بھی متحقق نہیں۔

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

کیا مسئلہ اجتہادیہ ہے؟

مسئلہ میراثِ نبوی میں ایک سے زائد نصوص سالمہ عن المعارض موجود ہیں۔

مثلا:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

لا يقسم ورثتي دينارا، ما تركت بعد نفقة نسائي ومؤونة عاملي فهو صدقة(106)

میری وراثت دیناروں میں نہ بٹے گی۔میری ازواج کے نفقہ اور عاملین کی مشقت کے بعد جسے چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔

(106):(صحیح بخاری 2776، صحیح ابن حبان 6609، 6610، 6612، ، تاریخ المدینۃ لابن شبۃ 201/1)

یونہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

لا نورث، ما تركنا صدقة(107)

یعنی ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا۔ جسے ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

یہ حدیث صرف تاجدارِ صداقت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ ہی سے مروی نہیں، آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے علاوہ کئی ایک صحابہ سے مختلف طرق اور الفاظ سے مروی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

إني لا أورث(108)

یعنی میری میراث نہ بٹے گی۔

اور قضیہ عقل بھی یہی ہے کہ:

"اگر انبیاءِ کرام نے بھی مال و دولت، زمین و جائیداد ہی کا وارث بنانا ہو تو اس میں اس مقامِ عظیم کی خصوصیت واضح نہیں ہوتی۔ اس قسم کی وراثت تو ایک معمولی انسان جو نعمتِ ایمان سے بھی مشرف نہ ہو اس کے مال میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہذا انبیاء و رسل کی وراثت ان کی حیثیت کے لائق ہونی چاہیے۔ اور ان کی حیثیت پوری امت کے لیے باپ جیسی اور وہ بقاءِ نوعِ انسانی کے لیے جلوہ فرما ہوتے ہیں، لہذا ان کی وراثت کا حصے دار بھی پوری امت کو بننا چاہیے اور ایسی چیز میں جس میں اس امت کی بقاء ہو۔ اور ظاہر ہے کہ "علم" وہ خوبی و کمال

---

(107): (صحیح بخاری 3093، 4035)

(108): (جامع ترمذی 1609)

ہے جس کا حصہ پوری امت کو مل سکتا ہے اور اس میں بقاءِ نوعِ انسانی بھی ہے"۔
اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

إن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما وإنما ورثوا العلم(109)

انبیاءِ کرام دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے، وہ تو صرف علم کا وارث بناتے ہیں۔
بہر حال یہ نصوص محض بطورِ مثال پیش کی ہیں، ورنہ اس باب میں بکثرت نصوص اس امر میں صریح ہیں کہ:
"انبیاءِ کرام کسی کو درہم و دینار، مال و جائیداد کا وارث نہیں بناتے۔ انبیاءِ کرام کی وراثت اس خاص امر میں جاری ہوتی ہے جس کو پہنچانے کے لیے وہ نفوسِ قدسیہ انسانوں کے بیچ جلوہ فرما ہوتے ہیں۔"
پس جب مسئلہ میراث نبوی میں متعدد نصوص سالمہ عن المعارض موجود ہیں تو اسے "اجتہادی مسئلہ" قرار دینے کی کیا حاجت ہے؟
اور بالخصوص اس وقت جبکہ آپ اس مسئلہ میں ایک ایسی بدبخت قوم کے مقابل کھڑے ہیں جن کی زبانوں سے نہ تو اہلِ بیت کرام محفوظ ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام، ایسی حالت میں مسئلہ منصوص علیہا کو "اجتہادی مسئلہ" قرار دینا، در حقیقت اپنے موقف کو کمزور کر کے پیش کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ "موقفِ صدیقی" کو کمزور مقام پہ کھڑا کرنے کے معنی میں ہے۔
کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ "اس مسئلہ میں صواب سیدنا صدیق اکبر کے ساتھ ہے"
پھر آپ نے مسئلہ منصوص علیہا کو اس کے مقام سے گرا کر مسائلِ مجتہد فیہا کی صف میں لا کھڑا کیا۔

(109): (جامع ترمذی 2682، سنن ابن ماجہ 223، سنن دارمی 354، مسند احمد 21715، مسند ابن ابی شیبۃ 47)

اور مسلمات سے ہے کہ:

"مسائل مجتہد فیہا میں حق بین المجتہدین دائر ہوتا ہے کسی ایک کو حتمی طور پر غلط نہیں کہا جا سکتا"

بنابریں:

ممکن ہے کہ اس اجتہاد میں صواب سیدنا ابو بکر صدیق کے ساتھ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صواب دوسری جانب ہو۔۔۔!!!

مسئلہ کو اجتہادی بنا کر آپ یقینی طور پر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صواب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ ہی کی جانب تھا؟؟؟

لہذا مسلکِ اسلم یہی ہے کہ مسئلہ کو مسائلِ اجتہادیہ کی صف میں نہ لایا جائے، بلکہ مسائل منصوصہ میں رہنے دیا جائے۔

رہی بات سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کے مطالبہ کی، تو ہم سطورِ بالا میں عرض کر چکے کہ وہ مطالبہ مبنی بر اجتہاد نہیں تھا۔

کیونکہ:

ہر عام وخاص جانتا تھا اور جانتا ہے کہ والد کے ترکہ سے بیٹی کو حصہ ملتا ہے۔ اور اس قسم کے ضروری مسائل میں نہ اجتہاد کی حاجت اور نہ ہی ان سے اجتہاد کا تعلق۔ رہی بات مذکورہ بالا فرامینِ مصطفی ﷺ کی تو وہ تاوقتِ مطالبہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو پہنچے ہی نہیں تھے، فلہذا مسئلہ میں اجتہادِ اصطلاحی کو کوئی راہ نہیں۔

تنبیہ:

بعض اہلِ علم نے اس مسئلہ میں "اجتہاد" جیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، لیکن ان کی کلام

میں لفظِ اجتہاد اصطلاحی معنی میں ہونے کے بجائے محض"رائے اور موقف" کے معنی میں ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے مسئلہ کو اجتہادی فرض کرتے ہوئےجنابِ صدیقِ اکبر کے موقف کوترجیح دی ہے، لیکن ان کی کلام بابِ مماشاۃ مع الخصم سے ہے فلیتنبہ

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

کیامسئلہ مذکورہ میں سیدۃ النساءرضی اللہ تعالیٰ عنہاسےاجتہادی خطاہوئی ؟

سطورِ بالا میں "امر تاسع" کے تحت ثابت ہو چکا کہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا سے اس مسئلہ میں کسی طرح کی خطا نہیں ہوئی۔ امام غزالی کی تصریح کے مطابق جن امور میں اطلاقِ خطا کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی ایک امر بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حق میں متحقق نہ تھا۔

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

اعلیحضرت گولڑوی رحمہ اللہ تعالی کی کلام اور ارادۂ خطا اجتہادی:

اعلیحضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو ملاحظہ ہو:

آیتِ تطہیر کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی بھی خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بمقتضائے بشریت ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہو تو وہ عفو و تطہیرِ الہی میں داخل ہو گی۔(110)

امام اہلسنت، مجدد دین وملت حضرت اعلی پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی اس عبارت میں لفظِ "خطا" دو بار آیا ہے۔ پہلی بار فرمایا:

"کسی قسم کی بھی خطا"

یہ الفاظ تو عموم میں نصِ صریح ہیں، ان الفاظ سے محض "خطا اجتہادی" کا ارادہ سراسر باطل اور اجزاءِ کلام کے الغاء کے بغیر ممکن نہیں۔

اور دوسری بار فرمایا:

"اگر بمقتضائے بشریت ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہو تو وہ عفو و تطہیرِ الہی میں داخل ہو گی"

- "مقتضائے بشریت" کا عذر،
- پھر "عفو و تطہیرِ الہی میں دخول" صاف اعلان فرما رہے ہیں کہ "خطا" سے خطائے اجتہادی مراد نہیں۔ ورنہ مقتضائے بشریت کا عذر اور عفو و تطہیرِ الہی میں داخلے کے کیا معنی؟
- نیز عفو و تطہیر سے مراد وہ عفو و تطہیر ہے جو ان نفوسِ عالیہ کا خاصہ ہے۔ حضرت اعلی پیر مہر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

اور اذہاب الرجس و تطہیر بدیں معنی یعنی سب عیوب سے پاک کر دینا "انہی کا

---

(110):(تصفیہ ص46)

حصہ" ہے۔(111)

ظاہر ہے کہ اجتہادی خطا کی معافی میں اہلِ بیتِ کرام کی کوئی تخصیص نہیں، لہذا وہ خطا مراد ہو گی جس کے صدور پہ اہلِ بیتِ کرام کی خصوصیت کا ظہور ہو۔

بالفاظِ دیگر:

- حضورِ اعلی غوثِ زماں پیر مہر علی شاہ صاحب کی کلام میں "خطا" کے معنی "خطا اجتہادی" لینا در حقیقت آیتِ تطہیر کی معنوی تعطیل کے مترادف ہے۔ کیونکہ اب مفہوم یہ بنے گا کہ "اہلبیتِ کرام سے کسی طرح کی اجتہادی خطا سرزد ہو تو عفو و تطہیرِ الہی میں داخل ہو گی"

اور ظاہر ہے کہ یہ ایسی خوبی نہیں جس میں اہلبیتِ عظام کی تخصیص ہو، بلکہ اس میں تو صحابہ کی بھی کوئی تخصیص نہیں، اس میں تو پوری امت کے مجتہدین شریک ہیں۔

- نیز حضرت اعلی فاتحِ قادیانیت پیرمہر علی شاہ صاحب نے ص56 والے جملے میں "خطا" کو "عیوب" سے تعبیر کیا۔ اور خطیبِ مذکور اور اس کے حامیوں کے نزدیک خطا اجتہادی عیب نہیں، متفقہ اعلامیہ میں تصریح کی:

کیونکہ خطائے اجتہادی نہ معصیت ہے نہ عیب ہے۔(متفقہ اعلامیہ نکتہ 4)

خطیبِ مذکور اور اس کے حامیوں کے نزدیک جب خطا اجتہادی عیب نہیں اور حضورِ اعلی سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالی عنہ یہاں بولے گئے لفظِ خطا کو دوسرے مقام پہ لفظِ عیب سے تعبیر کر رہے ہیں تو پھر خطیبِ مذکور اپنے طے شدہ نظریات کو باقی رکھ کر خطا سے خطا اجتہادی کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے؟

- حضور قطب دوراں اعلیحضرت پیر صاحب رحمہ اللہ تعالی لفظِ خطا کو آیۂ تطہیر میں وارد

---

(111):(تصفیہ ص56)

لفظِ "رجس" کی وضاحت کے لیے لائے ہیں۔ لامحالہ "خطا" سے اسی معنی کا ارادہ کیا جائے گا جو "رجس" کے مفہوم کو اداء کر سکے۔۔۔ اور شک نہیں کہ خطاء اجتہادی اس مفہوم کی ادائیگی سے سراسر قاصر ہے۔

- نیز اگر "اذہابِ رجس" کا مفہوم "خطائے اجتہادی کی معافی" کے ہوں تو اس آیہ مبارکہ میں تمام اہلبیت کے لیے بشارت نہ ہو گی، محض طبقۂ مجتہدین ہی اس عنایت کے حصے دار ٹھہریں گے۔
- یونہی جب "اذہابِ رجس" کا مفہوم "خطائے اجتہادی کی معافی" ہو تو "بمقتضائے بشریت دیگر امور ممکنہ" کا معاملہ محلِ تردد میں رہے گا۔
- نیز یہاں خطا عصمت کے مقابل ذکر کی جارہی ہے اور خطیبِ مذکور کا دعوی ہے کہ خطا اجتہادی، عصمت کے مقابل و منافی نہیں۔ پھر خطا مقابلِ عصمت سے خطا اجتہادی کیونکر مراد ہو سکتی ہے؟

شبہ:

یہاں ایک شبہ پیدا کیا جاتا ہے کہ یہ گفتگو شیعہ اصول پر ہو رہی ہے اور چونکہ ان کے نزدیک "خطا اجتہادی" عصمت کے منافی ہے، اس لیے عصمت کے مقابل ذکر کر کے بھی خطا سے خطا اجتہادی کا ارادہ کیا جا سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں:

- ✓ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو یہ "امر ثالث" میں کئے گئے نو(9) اعتراضات میں سے صرف ایک کا جواب ہوا، باقی آٹھ رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے سیدنا پیر مہر علی شاہ

صاحب رضی اللہ تعالی عنہ کی گفتگو میں موجود لفظِ"خطا" کو"خطا اجتہادی" کے معنی میں کیسے کیا جاسکتا ہے؟

- ✓ نیز مقابل کے مسلمات اور معتقدات قرینہ شمار ہوں تو یقیناوہ قرینہ معنویہ میں مندرج۔ اور قرینہ لفظیہ کا قرینہ معنویہ پر رجحان غیر محتاجِ بیان۔ اورسیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالی عنہ کی گفتگو میں فریقِ مخالف کی گفتگو صراحۃً موجود ہے، یعنی قرینہ لفظیہ موجود ہے اور اس کے ہوتے ہوئے قرینہ معنویہ کی طرف عدول اور اس پر اعتماد اقوی کی موجودگی میں اضعف پر اعتماد کی مثل ہے۔

اور قرینہ لفظیہ کو دیکھیں تو اس میں فریقِ مخالف نے"عصمت" کا منافی"خطا اجتہادی" نہیں بنایا بلکہ "عصمت" کا منافی"ناجائز امر کا ارتکاب"بنایاہے۔پس اگر خطیبِ مذکور کی بات کومان لیا جائے کہ"گفتگو مقابل کے مسلمات کے مطابق ہو رہی ہے" جب بھی"عصمت" کی نفی کی صورت میں بولے جانے والے لفظِ خطا کے معنی "خطا اجتہادی" کے بجائے "ناجائز امر کا ارتکاب" بنیں گے۔ اور خود خطیب نے اپنی گفتگو میں اس پہ زور بھی دیاہے، جیساکہ عنقریب آرہاہے۔پس اگر قرینہ لفظیہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ قرینہ معنویہ موہومہ کا اعتبار کرتے ہیں تو نہ صرف ترجیح بلا مرجح بلکہ ترجیحِ مرجوح ہے۔ولا یقول بہ عاقل

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

"خطیبِ مذکور کی گفتگو اور اجتہادی خطا"

- خطیبِ مذکور کی گفتگو دو عظیم شخصیات کے مابین ہونے والے معاملہ میں سے ایک شخصیت کے دفاع میں ہو رہی تھی جبکہ دوسری شخصیت پر حکم لگایا جا رہا تھا، اور" حکم " کی صورت میں الفاظ مُشِیرۃ للالتباس وعبارات متأرجحہ کا استعمال منع۔
- نیز: خطیبِ مذکور کی گفتگو کچھ اس طرح ہے:

"روافض تم دلیل نہ بناؤ کہ معصوم تھیں تو مانگنا ہی حق کی دلیل ہے۔ فرمایا کہ نہیں، خطا کا امکان تھا۔ اور خطا پر تھیں۔ جب مانگ رہی تھیں خطا پر تھیں۔" (انتھی)

"حق" سے مقابلہ قرینۂ "باطل" اور واضح ہے کہ "خطا اجتہادی" باطل کے تحت داخل نہیں۔

- یونہی خطیبِ مذکور نے بہت زور دار طریقے سے بیان کیا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کی یہ گفتگو شیعہ کے جواب میں تھی۔ شیعہ کا دعوی تھا کہ "ناجائز امر کا ارتکاب نہیں کر سکتیں" اور سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کا رد کیا۔۔۔ خطیبِ مذکور کے تئیں خطا کا اطلاق "ناجائز امر کا ارتکاب نہیں کر سکتیں" کی نفی میں ہوا۔ اور "نفی کی نفی اثبات" کے مطابق حضورِ اعلی پیر مہر علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالی عنہ کی گفتگو کا مطلب بنا "ناجائز امر کا ارتکاب کر سکتی ہیں"

خطیبِ مذکور یا اس کے حامیوں میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ "خطا اجتہادی" کو "ناجائز امر کا

ارتکاب" کس اعتبار سے قرار دیا جارہا ہے ؟؟؟

خطیبِ مذکور کی گفتگو ملاحظہ ہو:

خطیبِ مذکور نے حضورِ اعلی، غوثِ زماں سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب کی عبارت پڑھی:

"لہذا سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا فدک کا دعوی کرتے ہوئے کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہو سکتیں"

خطیب صاحب پھر رکے اور انگلی لہرا کر کہا: "ناجائز امر" ، سیدہ کا نام لکھ کر، یہ بات لکھی جا رہی ہے، مطلقا نہیں، بہت سے لوگ ایسے فضائی باتیں کر رہے ہیں کہ سیدہ کا تو ذکر ہی نہیں، سیدہ کی تو بات ہی نہیں، تو جو سوال میں ماخوذ ہو وہ جواب میں ماخوذ ہوتا ہے۔ جب سوال میں اور دلیل میں بات ہی سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی ہو رہی ہے تو جواب میں بھی بات انہی کی کی جارہی ہے امکانِ خطا کے لحاظ سے اور کسی کی نہیں ہو رہی باقی کی ضمنا ہے اہلبیت اطہار علیہم الرضوان میں سے حضرت سیدۃ النساء کی بات خو یعنی عبارۃ النص ہے کہ جو انہی کی بات دلیل والا ان کا ذکر کر رہا ہے آپ اس کا جواب دے رہے ہیں۔۔۔۔۔

اب اس کے اندر آپ نے اس دلیل کا جواب دینا چاہا، دلیل کیا ہے کہ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا فدک کا دعوی کرتے ہوئے۔۔۔

پھر انگلی نکال کر لہراتے ہوئے کہا: فدک کا دعوی کرتے ہوئے۔۔۔ کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہو سکتیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ یہ بات پیر مہر علی شاہ صاحب اس کو رد کرنا چاہتے ہیں یا اس کی حمایت کرنا چاہتے ہیں ؟؟؟ ظاہر ہے کہ وہ ذکر کر کے رد کرنا چاہتے ہیں۔ اس بات کا رد کرنا چاہتے ہیں، کس کا؟

اس کا کہ: سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا فدک کا دعوی کرتے ہوئے کسی ناجائز امر کی

مرتکب نہیں ہو سکتیں۔۔۔

اس کو وہ رد کرنا چاہتے ہیں۔تو رد کن لفظوں میں ہو گا؟ کیا کہیں گے ؟جو کہتے ہیں کہ ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہو سکتیں، پیر صاحب اس کا رد کرنا چاہتے ہیں۔۔۔تو وہ رد کن لفظوں میں ہو گا؟ وہ یہ لوگ شرق و غرب میں بولنے والے بتائیں۔۔۔

لہذا پیر صاحب نے کہا: اس دلیل کا تفصیلی جواب آگے چل کر آیتِ تطہیر کی فصل میں دیا جائے گا۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آیتِ تطہیر کا مطلب ہر گز یہ نہیں۔

آپ نے اپنی طرف سے لقمہ دیتے ہوئے کہا جو اس بندے نے بیان کیا ہے۔ کہ چونکہ آیتِ تطہیر ہے ان کے بارے میں تو پھر وہ ناجائز امر کی مرتکب کیسے ہو سکتی تھیں۔۔۔کہا کہ: ہر گز یہ مطلب نہیں۔۔۔!!!

پھر زور دیتے ہوئے کہا:

ہر گز یہ مطلب نہیں تو پھر کیا مطلب ہے ؟ پیر صاحب کے ذمہ یہ بات آرہی ہے نا کہ ان کی بات کو تو رد کر رہے ہیں کہ کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہو سکتیں، پیر صاحب کہتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے، اس کو میں رد کرتا ہوں، میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اب جواب جو ہے وہ سوائے اس کے اور کیا ہو گا جو اگلے لفظوں میں موجود ہے۔۔۔

آپ نے فرمایا کہ: یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آیتِ تطہیر کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی بھی خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔۔۔۔

خطیبِ مذکور نے پھر ہاتھ لہرا کر کہا: یہ مطلب نہیں۔۔۔یہ مطلب نہیں۔۔۔

تو کیا مطلب ہے؟ یہ مطلب نہیں کہ ان سے خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے یہ مطلب نہیں۔۔۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بمقتضائے بشریت ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہو تو وہ

عفو و تطہیر الٰہی میں داخل ہو گی۔ سر زد بھی ہو، کوئی خطا سر زد بھی ہو۔۔۔اب یہاں یہ لفظ ہے کہ اگر بمقتضائے بشریت۔۔۔یعنی تقاضائے بشریت کے مطابق ان سے کوئی خطا سر زد بھی ہو تو وہ عفو تطہیر الٰہی میں داخل ہو گی۔۔۔(انتہی)

اس گفتگو کو سامنے رکھ کر بھی کوئی کہے کہ خطیبِ مذکور "خطا" بمعنی "خطا اجتہادی" لے رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے مکالمہ اور اس کو سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہو گا۔

مزید بر آں:

خطیبِ مذکور نے اپنے دوسرے خطاب میں گفتگو کے تین مراحل بنائے۔ عمومی گفتگو، مسئلہ فدک میں گفتگو، روافض کے مقابلے میں گفتگو۔ پہلے دونوں مراحل میں "خطا" کی نسبت کو مطلقاً منع اور ناجائز بتایا۔۔۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موصوف اور ان کے حامی تو خطا اجتہادی کو صفتِ مدح شمار کرتے ہیں۔ پس اگر "خطا پر تھیں" بولتے ہوئے ان کی نیت خطا اجتہادی کی تھی تو صفتِ مدح کے اطلاق پر اتنی پابندی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علاوہ ازیں:

خطیبِ مذکور نے اپنے دفاعی خطابات میں تاکید کی کہ "لفظِ خطا" بول سکتے ہیں لیکن اس کے مترادفات بشمول "لفظِ غلطی" کے بولنا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ لفظِ خطا اور لفظِ غلطی میں زمین آسمان کا فرق بتایا۔ موصوف کے اپنے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

غلطی، جرم، قصور، ان لفظوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (انتھی)

موصوف کی اس گفتگو کو سامنے رکھتے ہوئے ہر عقلمند بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ خطیبِ مذکور لفظِ خطا کے کسی ایسے معنی کا ارداہ کر رہے ہیں جس کی جگہ لفظِ غلطی بھی نہیں آ سکتا۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ان کی نیت "اجتہادی خطا" کی ہوتی تو اس کی جگہ "اجتہادی غلطی" کثیر الاستعمال ہے، اس سے منع کی کوئی وجہ نہ تھی۔ سو خطیب صاحب کی اپنی گفتگوشاہد کے "خطا" کے معنی خطا اجتہادی کے نہیں، ایسے معنی ہیں جو لفظِ"غلطی" سے بھی اداء نہیں ہو سکتے۔

بنیادی بات:

بنیادی بات یہ ہے کہ خطیبِ مذکورنے اپنی متنازع گفتگو پراعتراضات کا سلسلہ شروع ہوتے ہی "خطا اجتہادی" کی تاویل نہیں کی۔ اعتراضات کا سلسلہ چل نکلا، موصوف کے حمایتیوں بلکہ خود موصوف کی جانب سے معترضین کو برا بھلا کہا گیا۔ موصوف نے ویڈیو کلپ کے ذریعے اپنے کہے ہوئے جملوں کو درست قرار دیتے ہوئے تمام اہلِ علم کو چیلنج کیا کہ اگر پیر صاحب کی گفتگو کے یہ معنی نہیں تو آپ لوگ اس کے درست معنی کر کے دکھاو۔۔۔ موصوف کی گفتگو ملاحظہ ہو:

میں سب کو ببانگِ دہل کہہ رہا ہوں آپ کے پاس چند گھنٹے ہیں اگر رتی بھر بھی غیرت ہے دین کی آپ لوگوں کے اندر تو پیر مہر علی شاہ صاحب کی اس عبارت میں جو مخالفین کی دلیل اور اس کا جو جواب پیر صاحب نے دیا ہے یہ اپنے لفظوں میں یہ وضاحت کر کے دیں کہ پیر صاحب نے اس میں کیا لکھا ہے۔ اور

اس کے بعد میں بتاوں گا کہ میں نے کوئی غلط بات کی یا جو پیر صاحب نے کہا میں نے وہ ذکر کیا۔۔۔لہذا جتنے بھی لوگوں کو جوشِ خطابت کا گھمنڈ ہے یا علم کا گھمنڈ ہے وہ پیر صاحب کی اس گفتگو کو بیان کر کے واٹس ایپ کریں۔(انتہی)

یعنی موصوف کی طرف سے پہلا مرحلہ متنازع گفتگو کے صدور کا تھا۔۔

دوسرا مرحلہ اپنی کی ہوئی بات پہ ڈٹ جانا، اور وہ بھی اس انداز میں کہ سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو کی وضاحت کے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسرے اور بہتر الفاظ ہو ہی نہیں سکتے اور باقاعدہ اہلِ علم کو چیلنج دینا کہ اگر اس سے بہتر الفاظ ممکن ہیں تو تم وضاحت کر کے دکھاو۔۔!!!

اس کے بعد والے مرحلہ میں موصوف کو سمجھایا گیا یا سوچ و بچار کے بعد خود ذہن میں بات آئی کہ "خطا اجتہادی" کا نعرہ لگا لیتے ہیں۔۔۔!!!

بات واضح ہے کہ اگر خطیبِ مذکور کی نیت خطا اجتہادی کی تھی تو پہلے ہی مرحلے میں اس کی وضاحت میں کہہ دیا جاتا۔ کئی دنوں تک شور شرابا ہونے، موصوف کی جانب سے اہلِ علم کو برا بھلا کہنے، ویڈیو کلپ جاری کرنے کے بعد اگلے مرحلے میں تاویل آنے سے صاف ظاہر ہے کہ متنازع گفتگو میں اجتہادی خطا کا ارادہ نہ تھا۔۔ ورنہ اس ارادہ کے اظہار میں اتنی تاخیر اور اظہار سے پہلے معترضین کی مذمت اور ان پہ لعن طعن کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حاصلِ گفتگو:

خطیبِ مذکور کی گفتگو میں لفظِ خطا/ غلطی سے "خطا اجتہادی" کے ارادہ اور اطلاق کی صحت کے لیے چار امور ضروری تھے:

1. مسئلہ اجتہادیہ ہو۔
2. سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اس میں خطا ہوئی ہو۔
3. خطیبِ مذکور جس کلام کی شرح کر رہا ہے، اس کلام میں بھی اس معنی کے ارادہ کا احتمال ہو۔
4. خطیبِ مذکور کی گفتگو میں اس معنی کے ارادہ سے کوئی مانع نہ ہو۔

اور ان میں سے کوئی ایک بھی یہاں متحقق نہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ خطیبِ مذکور کی گفتگو میں وارد لفظِ خطا سے خطا اجتہادی کا ارادہ درست نہیں اور نہ ہی اطلاق صحیح۔ اگر یہ امورِ اربعہ پائے جاتے تو اب قرینہ صارفہ کی بات آتی، لیکن:

- گفتگو قرینہ صارفہ کے مرحلہ تک پہنچی ہی نہیں۔
- اور اگر بالفرض امورِ اربعہ مان بھی لیے جائیں تو قرینہ صارفہ مفقود ولا يجوز حمل اللفظ على غير ما وضع له إلا بها

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

تنبیہِ ہام:

اس ساری گفتگو کا مطلب یہ نہیں کہ اگر اس مقام پہ"خطا" بمعنی "خطا اجتہادی" ہو تو گفتگو "بابِ اساءت" سے باہر آجائے گی۔گفتگو کے بابِ اساءت سے باہر آنے کے لیے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ:

کیاعام آدمی کے لیے مسئلہ اجتہادیہ میں مجتہدِ معین کی جانب نسبتِ خطا جائز ہے؟؟؟

تو اس سلسلے میں ہمارے علماء کی تصریحات موجود ہیں کہ

"بابِ اجتہاد میں عام آدمی کو حق نہیں کہ کسی مجتہد کی جانب علی التعیین نسبتِ خطا کرے۔"

تحقیقِ مقام یہ ہے کہ:

مسائل ظنیہ میں ہمارے ائمہ کے بیچ اختلاف ہے کہ آیا ہر مجتہد مصیب ہے یا کوئی ایک مصیب ہے۔۔۔علماء کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ مسائلِ ظنیہ میں ہر مجتہد مصیب ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں:

فمنهم من استدل بإصابة المجتهد فيما يجتهد، وإن لم يصب هو الحكم الذي هو حكم عند اللَّه فيه حقيقة، وهو قول من يقول: كل مجتهد مصيب فيما عليه من الاجتهاد في تلك الحادثة، وهو قول أبي يوسف ومُحَمَّد رحمهما اللَّه.(112)

تو بعض علماء نے مجتہد کے اجتہاد میں اصابت پر استدلال کیا، اگرچہ وہ اس حکم تک نہ بھی پہنچ پائے جو اس مسئلہ میں اللہ جل وعلا کے ہاں حقیقی حکم ہے۔اور یہ ان حضرات کی رائے ہے جو کہتے ہیں: "ہر مجتہد اس معاملے میں مصیب ہے جو اس مسئلہ میں اس پر اجتہادی ذمہ

---

(112):(تاویلات اہل السنة 363/7)

داری تھی۔" اور یہ صاحبین رحمھما اللہ تعالی کا قول ہے۔

الکشف والبیان میں ہے:

قال الحسن: كان الحكم بما قضى به سليمان، ولم يعنف الله داود في حكمه وهذا يدلّ على أنّ كلّ مجتهد مصيب.(113)

جنابِ حسن نے فرمایا: حکم وہ تھا جس کا فیصلہ جنابِ سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کیا۔ لیکن اللہ جل وعز نے سیدنا داود علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر ان کے فیصلہ میں ناراضگی نہ فرمائی۔ اور یہ دلیل ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے۔

ماوردی کہتے ہیں:

أنزل الله تعالى: وما قطعتم من لينة الآية. وفيه دليل على أن كل مجتهد مصيب.(114)

اللہ جل وعز نے نازل فرمایا: اور جو کھجور کے درخت تم نے کاٹے۔۔۔ آیت کے آخر تک اس میں دلیل ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے۔

تفسیر ابن جزی میں ہے:

واستدل بعض الفقهاء بهذه الآية على أن كل مجتهد مصيب، فإن الله قد صوب فعل من قطع النخل ومن تركها(115)

اور بعض فقہاء نے اس آیت سے اس بات پہ دلیل پکڑی کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔

---

(113):(الكشف والبيان 285/6)

(114):(تفسير الماوردى 502/5 ، اللباب 572/18)

(115):(التسهيل لعلوم التنزيل 358/2)

کیونکہ اللہ جل وعلانے کھجور کا باغ کاٹنے والوں اور چھوڑ دینے والوں میں سے ہر ایک کے فعل کو درست قرار دیا۔

نظام الدین نیشاپوری کہتے ہیں:

وقد يستدل بهذا على جواز الاجتهاد ولو بحضرة النبي صلى الله عليه وسلم وعلى أن كل مجتهد مصيب.(116)

اس مبارک آیہ سے:

- اجتہاد کے جائز ہونے پر دلیل پکڑی جاتی ہے، چاہے وہ نبی صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم کی موجودگی میں ہی کیوں نہ ہو۔
- اور اس بات پر بھی کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔

تفسیر ابن عرفہ میں ہے:

ابن عرفة: كذا في السير لقوله: " لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة" ابن عطية: ووصلها قوم من الصحابة بعد العشاء وهم لم يصلوا العصر، فلم يخطئهم رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم.

ابن عرفة: فيه دليل على أن كل مجتهد مصيب.(117)

ابنِ عرفہ کہتے ہیں: یونہی سِیَر میں ہے، آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم کے اس فرمانِ گرامی کے باعث: کوئی شخص بنو قریظہ سے پہلے عصر نہ پڑھے۔

ابنِ عطیہ کہتے ہیں: صحابہ کی ایک جماعت عشاء کے بعد بنو قریظہ پہنچی جبکہ انہوں نے عصر

(116):(غرائب القرآن 283/6)

(117):(تفسير ابن عرفة 294/3)

پڑھی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں خطا پر قرار نہیں دیا۔

ابنِ عرفہ کہتے ہیں: اس میں دلیل ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے۔

البتہ:

دیگر علماء وائمہ کے نزدیک کوئی ایک مجتہد مصیب ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالی تفصیلِ مذاہب میں فرماتے ہیں:

ایک رائے ہے کہ:

1) مسائلِ ظنیہ میں ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔

a) پھر ایک رائے کے مطابق جس واقعہ میں نص نہ ہو اس میں کوئی حکمِ معین نہیں ہوتا کہ اسے ظن کے ذریعے طلب کیا جائے بلکہ حکم ظن کے تابع ہوتا ہے اور ہر مجتہد کے حق میں حکمِ الٰہی وہی ہے جو اس کے ظن پہ غالب ہو۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالی نے اسی کو مختار قرار دیا اور فرمایا: وإليه ذهب القاضي

b) اور دوسری رائے کے مطابق جس واقعہ میں نص نہ ہو اس میں معین حکم ہوتا ہے جس کی طرف طلب متوجہ ہوتی ہے۔ لیکن مجتہد اس حکم تک رسائی کا مکلف نہیں ہوتا۔ لہذا اگر اس حکمِ معین (جس تک رسائی کا مکلف نہیں بنایا گیا) تک نہیں پہنچ پاتا جب بھی "مصیب" ہی ہوگا۔ بایں معنی کہ: جس کا وہ مکلف بنایا گیا اسے اس نے اداء کیا، لہذا اپنی ذمہ داری پوری کر لی۔

2) دوسری رائے کے مطابق ہر مجتہد مصیب نہیں بلکہ مصیب کوئی ایک ہے۔

پھر جس واقعہ میں نص نہ ہو اس میں معین حکم تو ہوتا ہے، لیکن کیا اس پر کوئی دلیل ہوتی ہے یا نہیں؟

a) ایک رائے یہ ہے کہ اس پہ دلیل نہیں ہوتی۔ اس کی مثال دفینہ کی سی ہے کہ ڈھونڈنے والے کو اتفاقاً ہی مل سکتا ہے۔ جسے مل جائے اس کے لیے دو اجر اور جسے نہ ملے اس کی سعی وطلب کے سبب اس کے لیے ایک اجر۔

b) دوسری رائے ہے کہ اس پہ دلیل ہوتی ہے۔ پھر ان میں اختلاف ہے کہ دلیل قطعی ہوتی ہے یا ظنی۔

i) ایک رائے ہے کہ دلیل قطعی ہوتی ہے لیکن دلیل کے غموض وخفاء کے سبب مخطئ سے گناہ مٹ جاتا ہے۔

ii) ایک رائے یہ ہے کہ اس پہ دلیل ظنی ہوتی ہے۔ پھر ان میں اختلاف ہے کہ آیا مجتہد کو اس دلیل تک رسائی کا حکم قطعی ہے یا نہیں۔

(1) ایک رائے کے مطابق چونکہ دلیل میں غموض وخفاء ہوتا ہے، اس لیے مجتہد کو قطعی طور پر یہ حکم نہیں کہ وہ دلیل تک پہنچے۔ اس لیے معذور وماجور رہوتا ہے۔

(2) دوسری رائے ہے کہ مجتہد کو حکم ہے کہ وہ حکم کو تلاش کرے۔ اگر اس سے خطا ہو جائے تو اسے اجر نہیں ملے گا البتہ تخفیفا اسے گناہ نہیں ہو گا۔(118)

اور جنابِ امام ابو حنیفہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے جنابِ یوسف بن خالد سمتی

---

(118):(المستصفی ص352)

سے فرمایا:

كل مجتهد مصيب، والحق عند الله واحد(119)

ہر مجتہد مصیب ہے اور اللہ جل وعز کے ہاں حق ایک ہے۔

بنابریں:

اگر ہر مجتہد کو مصیب مانا جائے تو بابِ ظنیات میں کسی بھی مجتہد کی جانب نسبتِ خطا درست ہی نہیں۔ نہ تو مجتہد اپنے مقابل کو بر غلط و خطا کہہ سکتا ہے اور نہ ہی عامی و مقلد کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی مجتہد کے لیے یہ الفاظ استعمال کرے۔

اور اگر مصیب کسی ایک کو قرار دیا جائے تو دیکھا جائے گا کہ کسی معین مجتہد کی جانب "خطا" کی نسبت کرنے والا:

1. مجتہد ہے

2. یا مقلد

اگر مجتہد ہو تو اسے روا کہ اپنے مقابل کی جانب خطا کی نسبت کرے۔ کیونکہ وہ نصوص، ان کی دلالات، ناسخ و منسوخ، راجح و مرجوح کی معرفتِ تامہ کا حامل، لہذا اسے مقابل کا تخطیہ بھی روا۔ اور سلف سے جو "تخطیۂ مقابل" منقول ہے اس کا محمل یہی کہ وہ خود مجتہدین تھے اور انہیں حق تھا کہ وہ مقابل پہ حکم لگائیں۔

اور اگر معین مجتہد کی جانب "خطا" کی نسبت کرنے والا عامی ومقلد ہو، جیسا کہ ہم لوگ اور دورِ حاضر کا بڑے سے بڑا عالم بھی مقلد ہی ہے، مجتہد کوئی نہیں۔ ہمیں روا نہیں کہ اکابر مجتہدین کے مابین اختلافات کی صورت میں کسی شخص کو علی التعیین خطا پر قرار دیں۔ کیونکہ

(119): (تقویم الادلۃ ص407)

ہمارا یہ فعل بر بنائے اجتہاد تو ہو نہیں سکتا کہ ہمارے اندر یہ صفت مفقود۔ اور "تخطیۂ مقابل" اس باب سے بھی نہیں جس میں تقلید کی جاتی ہو، تقلید تو مخصوص مسائل میں اپنے امام کے فہم پر اعتماد کا نام ہے جس سے تخطیۂ مقابل یکسر خارج۔

جنابِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے سامنے حضرت سیدنا معاویہ کے ایک وتر رکعت کا ذکر کر کے ان کی جانب خطا کی نسبت کرنے کی کوشش کی گئی تو جنابِ ابنِ عباس نے رائے میں اختلاف کے باوجود فرمایا!

دعه فإنه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم(120)

انہیں چھوڑو، وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ جنابِ عبد اللہ بن عباس نے فرمایا!

أصاب، إنه فقيه(121)

انہوں نے درست کیا۔ کیونکہ وہ فقیہ ہیں۔

جنابِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تین رکعت وتر مروی ہونے کے باوجود "أصاب" فرمانا:

یا تو "كل مجتهد مصيب" کی بنیاد پر ہے۔۔۔

یا اس بنیاد پر کہ ہر کس و ناکس کو روا نہیں کہ وہ مسائلِ اجتہادیہ میں مجتہدین کی جانب علی التعیین خطا کی نسبت کرے۔ اور جملہ "دعه فانه فقيه" اسی جانب مشعِر۔

---

(120): (صحیح البخاری 3765)

(121): (صحیح البخاری 3765)

جنابِ سفیان فرماتے ہیں:

«مااختلف فيه الفقهاء, فلا أنهى أحدا من إخواني أن يأخذ به» (122)

جس میں فقہاء کا اختلاف ہو، میں اپنے احباب میں سے کسی کو فقہاء کی آراء پکڑنے سے نہیں روکتا۔

آپ ہی نے فرمایا:

إذا رأيت الرجل يعمل العمل الذي قد اختلف فيه وأنت ترى غيره فلا تنهه(123)

جب تو کسی کو ایسا عمل کرتا دیکھے جس میں علماء کا اختلاف ہو اور تیری رائے کچھ اور ہو تو اسے منع نہ کر۔

ابنِ حجر فرماتے ہیں:

وأن التابع لا يليق به الاعتراض على المتبوع بمجرد ما يظهر في الحال بل عليه التسليم لأن المتبوع أعرف بمآل الأمور غالبا بكثرة التجربة (124)

پیروکار کو محض ظاہر حال کی وجہ سے متبوع پہ اعتراض روا نہیں، بلکہ اس پہ ماننا لازم ہے۔ کیونکہ متبوع کثرتِ تجربہ کے سبب عمومی طور پہ امور کے انجام کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔

کشف الاسرار میں ہے:

وتخطئة العلماء ليست بكفر بل هي بدعة وضلال(125)

علماء کی طرف خطا کی نسبت کفر نہیں، بلکہ بدعت اور گمراہی ہے۔

---

(122):(الفقیہ والمتفقہ2/135)

(123):(الفقیہ والمتفقہ2/136)

(124):(فتح الباری5/352)

(125):(کشف الاسرار2/369)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

وقد وقع الاختلاف في الفروع بين الصحابة رضي الله عنهم وأرضاهم وهم خير الأمة، وكذلك مَنْ بعدهم مِنْ أئمة التابعين والعلماء، فما خاصم أحد منهم أحدًا، ولا عادى أحدٌ أحدًا، ولا نسب أحدٌ أحدًا إلى خطأ ولا قصور(126)

صحابہ کرام کے مابین فروع میں اختلاف ہوا، حالانکہ وہ امت میں سب سے اعلیٰ ہیں۔ اور یونہی ان کے بعد ائمہ تابعین وعلماء کے بیچ۔ تو ان میں سے کسی نے دوسرے سے جھگڑا نہیں کیا اور نہ ایک دوسرے سے دشمنی کی اور نہ ہی ایک دوسرے کی جانب خطا کی یا کوتاہی کی نسبت کی۔

اقول: جب صحابہ کرام بھی ایک دوسرے کی جانب خطا کی نسبت سے اجتناب فرمارہے ہیں تو عامی مقلد کو کہاں رواہے کہ وہ کسی مجتہد کو جب چاہے خاطی یا مخطی قرار دے دے؟

حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

الجاهل لا يعلم رتبة نفسه، فكيف يعرف رتبة غيره(127)

جاہل کو اپنے رتبہ کی خبر نہیں پھر وہ کسی دوسرے کے رتبہ کو کیسے سمجھے گا۔

حافظ ابنِ عبد البر کا مالکی مذہب کی جانب تحول اور فقہ شافعی کی جانب میلان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ولا ينكر له ذلك فإنه ممن بلغ رتبة الأئمة المجتهدين(128)

---

(126):(جزیل المواھب ص4،5)

(127):(سیر اعلام النبلاء 11/321)

(128):(سیر اعلام النبلاء 13/359)

یعنی حافظ ابنِ عبد البر پر اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ آپ ائمہ مجتہدین کے رتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔

انکار روانہ ہونے کی وجہ واضح ہے۔ کیونکہ انکار کرنے والے مقلدین وعامی ہیں۔ اور جس پہ انکار کر رہے ہیں وہ مجتہد اور مسئلہ مسائلِ اجتہادیہ سے۔۔۔ پھر عامی ومقلد کا مجتہد پر اعتراض کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

الفتوحات المکیۃ میں ہے:

وليس له أن يخطىء المخالف له في حكمه(129)

اسے حق نہیں پہنچتا کہ حکم میں اپنے مخالف کی طرف خطا کی نسبت کرے۔

علامہ عبد الوھاب شعرانی رحمہ اللہ تعالی شیخ محیی الدین عربی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

فكل من خَطَّأَ مجتهدا فكأنما خطأ الشارع فيما قرره حكما (130)

ہر وہ شخص جو کسی مجتہد کی جانب خطا کی نسبت کرے، گویا کہ اس نے خطا کی نسبت شارع کی طرف کر دی، اس معاملے میں جسے شارع نے حکم قرار دیا۔

جب سے خطیبِ مذکور کا فتنہ کھل کر سامنے آیا، دیکھنے میں آ رہا ہے کہ انتہائی کم فہم اور کم علم لڑکے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی بابت ایسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں کہ جنہیں پڑھ سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور اسی پہ بس نہیں، جو ان الفاظ پر اعتراض کرے اسے رافضی قرار دیتے ہیں۔۔۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ خود مجتہد بننے کے بجائے اپنے اکابر کی گفتگو کو ملاحظہ کریں، ابنِ عربی رحمہ للہ تعالی عامی کی جانب سے مجتہد کی طرف کی جانے والی نسبت

---

(129):(الفتوحات المکیۃ 1/149)

(130):(میزان الشریعۃ الکبری 1/32)

کو شارع کی جانب قرار دے رہے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اس سلسلے میں دامنِ احتیاط تھاما جائے، نہ کہ فردِ واحد کو درست ثابت کرنے کے لیے اپنی عاقبت کو کسی گہری کھائی میں گرا دیا جائے۔

اسی سلسلے میں علامہ عبد الوھاب شعرانی رحمہ اللہ تعالی امام شیخ الاسلام زکریا انصای قدس سرہ الباری سے ناقل، فرمایا:

ایاکم ان تبادروا الی الانکار علی قول مجتہد اوتخطئته الابعد احاطتکم بادلة الشریعة کلها و معرفتکم بجمیع لغات العرب التی احتوت علیها الشریعة و معرفتکم بمعانیها وطرقها فاذا احطتم بها کما ذکرنا ولم تجدوا ذلک الامر الذی انکرتموه فیہا فحینئذ لکم الانکار والخیر لکم

خبر دار مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا، جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کرلو، جب تک تمام لغات عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو، جب تک ان کے معانی ان کے راستے جان نہ لو۔ جب تم شریعت کا ویسا احاطہ کرلو جیسا ہم نے ذکر کیا اور وہ امر جس کا تمہیں انکار ہے اسے نہ پاؤ تو اب تمہارے لیے انکار جائز ہے اور تمہارے لیے خیر ہے۔

پھر فرمایا:

وانی لکم بذلک فقد روی الطبرانی مرفوعا: ان شریعتی جاءت علی ثلثمائة وستین طریقا ماسلک احد طریقة منہا الا نجا(131)

---

(131):(میزان الشریعۃ الکبری 1/30)

بھلا کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ۔ کیونکہ طبرانی نے مرفوعا روایت کیا

میری شریعت تین سو ساٹھ طریقوں پر آئی ہے۔ ان میں سے کوئی شخص کسی بھی رستے پر چلے وہ نجات پا گیا۔

فتاوی رضویہ شریف میں ہے:

مسائلِ اختلافیہ ائمہ میں حق دائر ہوتا ہے، کسی کو یقینا خطا پر نہیں کہہ سکتے (132)

دار الافتاء المصریۃ سے جاری ہونے والے ایک فتوی میں فرمایا

وقد اتفق العلماء على أن العاميَّ المحضَ، والعالم الذي تعلَّم بعض العلوم المعتبرة في الاجتهاد، ولكنه لم يبلغ رتبة الاجتهاد يلزمهما التقليد، ولا يصح أن ينكر بعض المقلدين على بعض، فيما أخذ كل منهم بقول عالِم متَّبع، فكيف يصح الإنكار على العلماء أنفسهم من قبل هؤلاء المقلدة المتعالمين

علماء کا اتفاق ہے کہ عامی محض اور وہ عالم جس نے اجتہاد میں علوم معتبرہ میں سے کچھ سیکھ لیے ہوں لیکن وہ رتبہ اجتہاد تک نہ پہنچا ہو، ان دونوں پر تقلید لازم ہے۔ اور مقلدین کا ایک دوسرے پر ایسے امور میں انکار درست نہیں جنہیں ان میں سے ہر ایک نے کسی لائقِ اتباع عالم کی رائے سے پکڑا ہو، پھر اپنے آپ کو عالم ظاہر کرنے والے ان مقلدین کی طرف سے خود علماء پہ اعتراض کیسے درست ہو سکتا ہے؟

---

(132):(فتاوی رضویہ 5/120)

تنبیہ ھام:

حکمِ خطا الگ امر ہے اور حکمِ خطا کا نقل الگ امر۔ عامی کو حکمِ خطا سے روکا گیا نہ کہ نقلِ حکم سے۔

نیز مسئلہ اجتہادیہ جس میں ایک سے زائد مجتہدین نے اپنی فکر کو استعمال کیا ہو، ایسے مسئلہ میں مجتہدِ معین کی جانب نسبتِ خطا میں اور بلا مقابلہ نسبتِ خطا میں بھی فرق ہے جس کا لحاظ ضروری ورنہ کلماتِ علماء سمجھنے میں سخت خلط واقع ہو گا۔

اقول:

جب عامی ومقلد کو اجازت نہیں کہ عام مجتہدین کی جانب مسائل مجتہد فیہا میں علی التعیین خطا کی نسبت کرے، پھر ہر ایرے غیرے کے لیے مسائلِ اجتہادیہ میں صحابہ کرام کی طرف علی التعیین خطا کی نسبت کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے ؟؟؟ ان نفوسِ عالیکا مقام دیگر مجتہدین سے کہیں برتر وبالا، نورِ نبوت کا فیضان خطا سے ان کا بالعموم محافظ۔۔۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

فاض عليهم من نور النبوة ما يحرسهم في الأكثر عن الخطأ(133)

ان پر نورِ نبوت سے وہ فیضان ہوا جو عمومی طور پہ خطا سے ان کی حفاظت کرتا ہے۔

لہذا ان نفوسِ عالیہ کی جانب علی التعیین نسبتِ خطا میں مزید احتیاط واجب۔

علامہ سیوطی نے حدیث"فايما اخذتم به اهتديتم"کے تحت فرمایا:

واستنبط منه ان كل المجتهدين على هدى وكلهم على الحق فلا لوم على احد منهم ولاينسب الى احد منهم خطيئة (134)

---

(133):(احیاء علوم الدین 1/79)

(134):(جزیل المواهب ص2،3)

اس حدیث سے اس نکتہ کا استنباط کیا گیا کہ سبھی مجتہدین ہدایت پر ہیں اور سبھی حق پر ہیں۔ پس ان میں سے کسی پر کوئی ملامت نہیں اور نہ ہی ان میں سے کسی کی طرف خطا کی نسبت کی جائے گی۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

لا يجوز أن ينسب إلى أحد من الصحابة خطأ مقطوع به، إذ كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه وأرادوا الله عز وجل، وهم كلهم لنا أئمة، وقد تعبدنا بالكف عما شجر بينهم، وألا نذكرهم إلا بأحسن الذكر، لحرمة الصحبة ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن سبهم، وأن الله غفر لهم، وأخبر بالرضا عنهم. هذا مع ما قد ورد من الأخبار من طرق مختلفة عن النبي صلى الله عليه وسلم أن طلحة شهيد يمشي على وجه الأرض، فلو كان ما خرج إليه من الحرب عصيانا لم يكن بالقتل فيه شهيدا. وكذلك لو كان ما خرج إليه خطأ في التأويل وتقصيرا في الواجب عليه، لأن الشهادة لا تكون إلا بقتل في طاعة، فوجب حمل أمرهم على ما بيناه. ومما يدل على ذلك ما قد صح وانتشر من أخبار علي بأن قاتل الزبير في النار. وقوله: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: بشر قاتل ابن صفية بالنار. وإذا كان كذلك فقد ثبت أن طلحة والزبير غير عاصيين ولا آثمين بالقتال، لأن ذلك لو كان كذلك لم يقل النبي صلى الله عليه وسلم في طلحة: شهيد. ولم يخبر أن قاتل الزبير في النار. وكذلك من قعد غير مخطئ في التأويل. بل صواب أراهم الله الاجتهاد(135)

کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی کی نسبت جائز نہیں۔ کیونکہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ جل وعلا کی خوشنودی تھا۔ یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں، ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات

---

(135): (تفسیر قرطبی 16/321، 322)

سے کفِ لسان کریں اور ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں۔ "حرمتِ صحبت، نبی ﷺ کی جانب سے ان نفوسِ عالیہ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت، اور آپ ﷺ کے فرمان کہ: اللہ نے انھیں معاف کرر کھا ہے اور ان سے راضی ہے" کی وجہ سے۔

اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہ کے بارے میں فرمایا:

"طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں"

اگر حضرت علی کے خلاف حضرت طلحہ کا جنگ کے لیے نکلنا گناہ تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے۔ اسی طرح اگر حضرت طلحہ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جائے، جب بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربّانی میں قتل ہوا ہو لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی محمل پر محمول کرنا ضروری ہے جس کا ہم نے بیان کیا ہے۔

اسی بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علی سے مروی ہیں کہ جنابِ زبیر کا قاتل جہنمی ہے۔ اور آپ کا فرمان کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو فرماتے سنا: صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو۔

جب معاملہ ایسا ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے، اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضرت طلحہ کو "شہید" نہ فرماتے اور حضرت زبیر کے قاتل کے جہنمی ہونے کی خبر نہ دیتے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہ ان جنگوں سے کنارہ کش رہے، انھیں بھی تاویل میں خطاکار نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ ان کا طرز عمل درست تھا جو اللہ جل وعز نے انہیں بذریعہ اجتہاد دکھایا۔

امام قرطبی کی گفتگو سر کی آنکھوں کے بجائے دل کی آنکھوں سے پڑھنے لائق ہے۔۔ایک ایسا مسئلہ جس کے بارے میں اہلسنت متفق کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا لیکن امام قرطبی اس مسئلہ میں بھی دوسرے دو گروہوں کا بقدر امکان دفاع اور ان کی مدح کرتے نظر آتے ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ بڑی شخصیات کے بارے میں گفتگو کا طریقہ ہی یہی ہے اور اربابِ اہلسنت کا ہر دور میں یہی طرزِ عمل رہا۔ لیکن آج کے سنیت کے ٹھیکیداروں نے نیا طرزِ عمل نکالا ہے کہ کسی ایک کا دفاع کریں گے تو لازمی طور پر جانبِ مقابل کی بے ادبی کے مرتکب ہوں گے۔

بہر حال: مسائل مجتہد فیہا میں بطورِ مقابلہ علی التعیین کسی مجتہد کی طرف خطا کی نسبت عامی و مقلد کے لیے روا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالی نے جنگِ جمل و صفین کی بابت "حق حضرت علی کے ساتھ ہونے" کا بیان کیا تو آپ کو اس اعتراض کا سامنا کرنا پڑا:

فان قيل لا كلام فى ان عليا اعلم و افضل و فى باب الاجتهاد اكمل لكن من اين لكم ان اجتهاده فى هذه المسئلة و حكمه بعدم القصاص على الباغى أو باشتراط زوال المنعة صواب و اجتهاد القائلين بالوجوب خطأ ليصح له مقاتلتهم و هل هذا الاكما اذا خرج طائفة على الامام وطلبوا منه الا قتصاص ممن قتل مسلما با لمثقل

اگر کہا جائے کہ: اس مسئلہ میں کوئی کلام نہیں کہ سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم زیادہ علم والے، زیادہ فضل والے اور بابِ اجتہاد میں زیادہ کامل ہیں۔ لیکن تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں آپ کا اجتہاد اور باغی پر عدمِ قصاص یا طاقت کے زوال کی شرط کا حکم درست تھا اور وجوب کے قائلین کا اجتہاد خطا تھا؟ تا کہ سیدنا علی رضی اللہ

تعالی عنہ کا ان سے قتال درست ہو۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک گروہ امام کے خلاف نکل آئے اور ایسے شخص سے قصاص لینے کا تقاضا کرے جس نے کسی مسلمان کو کسی مثقل سے قتل کر دیا۔

پھر جوابا آپ کو یہ عذر پیش کرنا پڑا کہ:

حضرت علی کی جانبِ مقابل کی طرف خطا اجتہادی کی نسبت نفسِ مسئلہ میں"بطورِ مقابلہ" نہیں۔ بلکہ ملحقات میں ہے جن میں نسبت تو ہے لیکن بطورِ مقابلہ نہیں۔ لہذا جس مسئلہ میں خطا کی نسبت کی جارہی ہے، وہ ان مسائل ہی سے نہیں جن میں علی التعیین نسبتِ خطا منع ہو۔

علامہ تفتازانی کی کلام ملاحظہ ہو:

قلنا ليس قطعنا بخطاء هم فى الاجتهاد عائدا إلى حكم المسئلة نفسه بل إلى اعتقاد هم ان عليا رضى الله عنه يعرف القتلة باعيانهم و يقدر على الاقتصاص منهم(136)

ہم کہیں گے: ہمیں سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہ الکریم کے مقابلے میں آنے والوں سے متعلق نفسِ مسئلہ میں خطا کا یقین نہیں، بلکہ ان کے اس اعتقاد کے بارے میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ قاتلینِ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو بالخصوص جانتے ہیں اور ان سے قصاص لینے پر قادر ہیں۔

ہم سطورِ بالا میں ثابت کر چکے کہ مسئلہ مجتہد فیہا میں عامی کو اجازت نہیں کہ کسی مجتہد کی جانب علی التعیین خطا کی نسبت کرے۔ اور جب معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کا ہو تو اب معاملہ مزید نازک ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کی ایک جماعت اس سلسلے میں مکمل سکوت کی قائل ہے، مبادا ایسی بات نکل جائے جو ان بزرگ ہستیوں کے

---

(136):(شرح مقاصد 534/3)

شایانِ شان نہ ہو۔ شرح مواقف میں ہے:

منهم من سكت عن الكلام فيها بتخطية او تصويب و هم طائفة من اہل السنة

ان میں سے بعض نے ان واقعات میں مکمل سکوت اختیار کیا اور نہ کسی خاص فریق کی طرف غلطی منسوب کی، نہ حق وصواب۔ یہ حضرات اہل سنت ہی کی ایک جماعت ہیں۔

بعد ازاں قاضی عضد الدین ایجی رحمہ اللہ تعالی مخصوص حالات میں اس موقف کے درست وصواب ہونے کا بیان کرتے ہوئے فرمایا

فان ارادوا انه اشتغال بما لا يعنى فلا باس به اذ قال الشافعى رحمه الله وغيره من السلف تلك دماء طهر الله عنها أيدينا فلنطهر عنها السنتنا(137)

یعنی: اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ایک غیر ضروری کام ہے تو ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ امام شافعی وغیرہ علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ یہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے؛ اس لیے چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔

اقول: یہاں تک ہماری گفتگو عام مجتہدین، پھر مجتہدینِ صحابۂ کرام سے متعلق ہوئی۔ رہی بات اعاظم صدیقین کی تو ان نفوسِ عالیہ کا درجہ عام صحابہ کے درجہ سے کہیں برتر وبالا۔۔۔ پس جب عام مجتہد، پھر عام صحابیٔ رسول ﷺ کی جانب مسائل اجتہادیہ میں بطورِ مقابلہ علی التعیین نسبتِ خطا جائز نہیں تو پھر اعاظم صدیقین کی جانب اور وہ بھی اس تکرار وشدت کے ساتھ کیسے جائز ہو سکتی ہے ؟؟؟

ہم پہلے بیان کر چکے کہ اعاظم صدیقین کی جانب خطا کی نسبت اللہ جل وعز کو پسند نہیں۔

---

(137): (شرح مواقف 8/406)

ابنِ عربی فرماتے ہیں کہ کاملین خطا کرتے ہی نہیں۔ فرمایا:

فالكامل من أهل الله من نظر في كل أمر على حدة حتى يرى خلقه الذي أعطاه الله ووفاه إياه ثم يرى ما بين الله لعباده مما خرج عن خلق كل شيء فينزل موضع البيان من قوله "ثم هدى" موضعه وينزل كل خلق على ما أعطاه خالقه فمثل هذا لا يخطي(138)

اہل اللہ میں سے کامل وہ ہےجو ہر معاملے کو الگ الگ دیکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اس معاملہ کی وہ بناوٹ دیکھ لیتا ہے جو اللہ جل وعلا نے اسے عطا فرمائی، پھر اس کو بھی دیکھ لیتا ہے جو اللہ جل وعزنے اپنے بندوں کے لیے بیان فرمایا اس قبیل سے جو ہر چیز کی خلق سے نکلتا ہے۔ پس فرمانِ باری تعالیٰ "پھر اس نے ہدایت دی" سے محلِ بیان کو اس کے اپنے محل پہ اتارتا ہے اور ہر مخلوق کو وہ مرتبہ دیتا ہے جو اس کے خالق جل وعلا نے اسے عطا کیا۔ پس ایسا شخص خطا نہیں کرتا۔

اگر ابنِ عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو میں"کامل" سے مراد طبقۂ اعاظم صدیقین ہوں تو ابنِ عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو مطلب میں نص کی مانند ہے۔ اور اگر اس سے دون درجہ کے اولیاء ہوں تو اب طبقہ اعاظم صدیقین کے لیے یہ مرتبہ بطریقِ اولیٰ حاصل ۔۔فللہ الحمد

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

(138):(الفتوحات المکیۃ3/436)

اکابر محفوظین کے خطانہ کرنے کی وجہ:

♥ ان نفوسِ عالیہ کے خطانہ کرنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ:

اعاظم صدیقین مقامِ فنافی الرسول پہ فائز ہوتے ہیں اور اس مقام پہ ان کی صفات صفاتِ رسول کی مظہر ہوتی ہیں، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے خطا کا صدور نہیں، لہذا فانی فی الرسول کہ مظہر صفاتِ رسول ہے اس سے بھی خطا کا ظہور نہیں۔ لیکن اس کا مطلب مقامِ رسالت سے برابری ہر گز نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو یہ کمال اصالۃً حاصل اور فانی فی الرسول کو تبعاواقتداء۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالی نے کشف المحجوب شریف میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی بابت ایک خواب ذکر فرمایا اور اس پہ تبصرہ کیا، داتا صاحب فرماتے ہین

و من که علی بن عثمان الجلابی ام وفقّنی الله بشام بودم بر سر روضہ بلال مؤذن خفته بودم ، خود را بمکه دیدم اندر خواب ، که پیغمبر صلّی الله علیه و سلمّ از باب بنی شَیبه اندر آمد و پیری را در کنار گرفته ؛ چنانکه اطفال را گیرند بشفقتی ، پیش وی دویدم و بر پشت پایش بوسه دادم و اندر تعجب آن بودم تا آن پیرکیست

وی بحکم اعجاز بر باطن و اندیشهٔ من مشرف شد ، مرا گفت:

این امام تست واہل دیار تو یعنی ابو حنیفہ(139)

حاصلِ گفتگو یہ کہ:

میں علی بن عثمان جلابی شام میں موذنِ رسول جنابِ بلال رضی اللہ تعالی عنہ کے روضہ مقدسہ کے سرہانے سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو مکہ مشرفہ میں دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے

(139):(کشف المحجوب قلمی ص125)

اور ایک بزرگ کو گود میں لیے ہوئے تھے جیسے بچوں کو شفقت سے اٹھایا جاتا ہے۔ میں نے دوڑ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدمینِ شریفین کی پشت کا بوسہ لیا اور حیرت میں پڑ گیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معجزانہ شان سے میرے دل اور میرے خیال پر مطلع ہو گئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا

یہ تمہارے اور تمہارے اہلِ علاقہ کے امام یعنی ابو حنیفہ ہیں۔

اس خواب کو بیان کرنے کے بعد حضور سیدنا داتا علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تبصرہ کیا، اس تبصرہ کی مہک سے اہلِ ایمان کے مشامِ جان معطر و مشکبار ہو جاتے ہیں۔ فرمایا

و مرا بدان خواب امیدی بزرگ است وبا اهل شهرخود ہم و درست شد از این خواب مرا که وی یکی از آنان بوده است که از اوصاف طبع فانی بودند و باحکام شرع باقی و بدان قایم؛ چنانکه برندۀ وی پیغمبر صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بوده است ، واگر وی خود رفتی باقی الصفۃ بودی و باقی الصفۃ یا مُخطی بود یا مُصیب چون برندۀ وی پیغمبر بود علیه السلّام فانی الصفۃ باشد وقائم ببقای صفت پیغمبر علیه السلّام

و چون بر پیغمبر علیه السلّام خطا صورت نگیرد ، بر آن که بدو قایم بودیۃ صورت نگیرد .

این رمزی لطیف است(140)

یعنی اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنے اہلِ شہر کی بابت بڑی امید بندھ گئی اور اس خواب سے مجھ پر یہ بھی منکشف ہو گیا کہ:

امام اعظم ابو حنیفہ ان ہستیوں سے ہیں جو اپنے طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور احکام شرع سے باقی اور انہی سے قائم ہیں۔ کیونکہ آپ کو لے جانے والے خود رسول اللہ صلی اللہ

---

(140):(کشف المحجوب قلمی ص126)

تعالی علیہ وسلم ہیں۔ اگر آپ خود جاتے تو"باقی الصفت" ہوتے اور "باقی الصفت" (مجتہد) یا خطا پہ ہوتا ہے یا درستی پہ۔

جب آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو لے جانے والے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں تو جنابِ امام ابو حنیفہ اپنی صفات سے فانی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی صفات کے ساتھ باقی ہوئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے خطا کا تصور نہیں تو(جو شخص مقامِ فناء فی الرسول کو پہنچ چکا اور) جس کا قیام صفاتِ رسول سے ہو اس سے بھی خطا کا تصور نہیں۔

فرمایا: یہ لطیف رمز ہے۔

حضور داتا گنج بخش رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ تبصرہ واستدلال عجیب معنویت ولطافت کا مظہر ہے۔یعنی مقامِ اجتہاد کے پیشِ نظر خطا وصواب دونوں کا تعلق جنابِ امام اعظم سے ہو سکتا تھا، لیکن اب جبکہ مقامِ فناء بھی مل چکا تو اب جس میں فانی ہیں ان سے خطا کا تصور نہیں تو جو فانی ہے اس سے خطا کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔

♥ اور عدمِ خطا کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ:

یہ کاملین خود رفتہ نہیں ہوتے، بلکہ اقدام انبیاء وملائکہ کی پیروی میں ہوتے ہیں اور چونکہ انبیاء وملائکہ خطا سے منزہ، یونہی یہ کاملین بھی خطا سے منزہ۔۔رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لایزال اربعون رجلامن امتی قلوبھم علی قلب ابراہیم علیہ السلام یدفع اللہ بھم عن اھل الارض۔(141)

---

(141):(المعجم الکبیر للطبرانی ج9ص27، معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبھانی رقم الحدیث4013، مجمع الزوائد ج10ص63)

میری امت میں ہمیشہ چالیس بندے ایسے رہیں گے کہ ان کے دل حضرت سیدنا ابراہیم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام کے دل پر ہوں گے.....اللہ سبحانہ وتعالی ان کی برکت سے ساری زمین والوں سے بلاء کو دفع فرماتا رہے گا۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان لله عزوجل فی الخلق ثلاثمائة قلوبهم علی قلب آدم علیه السلام ولله تعالی فی الخلق اربعون قلوبهم علی قلب موسی علیه السلام ولله تعالی فی الخلق سبعة قلوبهم علی قلب ابراهیم علیه السلام ولله تعالی فی الخلق خمسة قلوبهم علی قلب جبریل علیه السلام ولله تعالی فی الخلق ثلاثة قلوبهم علی قلب میکائیل علیه السلام ولله تعالی فی الخلق واحد قلبه علی قلب اسرافیل علیه السلام فاذامات الواحد ابدل الله عزوجل مکانه من الثلاثة واذامات من الثلاثة ابدل الله عزوجل مکانه من الخمسة واذامات من الخمسة ابدل الله عزوجل مکانه من السبعة واذا مات من السبعة ابدل الله عزوجل مکانه من الاربعین واذامات من الاربعین ابدل الله عزوجل مکانه من الثلاثمائة واذامات من الثلاثمائة ابدل الله عزوجل مکانه من العامة فبهم یحیي ویمیت ویمطر وینبت ویدفع البلاء۔(142)

اللہ جل وعلا کے مخلوق میں تین سو بندے ایسے ہیں جن کے دل حضرت آدم کے دل پہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ جل وعلا کے مخلوق میں چالیس بندے ایسے ہیں جن کے دل حضرت موسی کے دل پہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالی کے مخلوق میں سات بندے ایسے ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم کے دل پہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ کی مخلوق میں پانچ بندے ایسے ہوتے ہیں جن

(142):(حلیۃ الاولیاء ج1 ص4)

کے دل حضرت جبریل کے دل پہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ جل وعلا کی مخلوق میں تین بندے ایسے ہیں جن کے دل میکائیل کے دل پہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ جل وعلا کی مخلوق میں ایک بندہ ایسا ہوتا ہے جس کا دل حضرت اسرافیل کے دل پہ ہوتا ہے۔ جب ایک اس دنیا سے جاتا ہے تو اللہ جل وعز تین میں سے اسے بدل دیتا ہے۔ جب تین میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ جل وعز پانچ میں سے اس کی جگہ بدل دیتا ہے۔ جب پانچ میں سےکوئی اس دنیا سے جاتا ہے تو اللہ جل وعلا سات میں سے کسی کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے۔ جب سات میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اللہ جل وعلا چالیس میں سے کسی کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے۔ جب چالیس میں سے کوئی جاتا ہے تو اللہ جل وعز تین سو میں سے کسی کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے۔ اور جب تین سو میں سے کوئی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تواللہ جل وعلا عام اولیاء میں سے کسی کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے۔ تو اللہ جل وعز انہی کی برکت سے جِلاتا اور مارتا ہے۔ بارش برساتا اور سبزہ اگاتا ہے اور بلائیں ٹالتا ہے۔

ابنِ عربی فرماتے ہیں:

فاعلم أن معنى قول النبي عليه السلام في حق هؤلاء الثلثمائة إنهم على قلب آدم وكذلك قوله عليه السلام في غير هؤلاء ممن هو على قلب شخص من أكابر البشر أو الملائكة إنما معناه إنهم يتقلبون في المعارف الإلهية تقلب ذلك الشخص إذ كانت واردات العلوم الإلهية إنما ترد على القلوب فكل علم يرد على قلب ذلك الكبير من ملك أو رسول فإنه يرد على هذه القلوب التي هي على قلبه وربما يقول بعضهم فلان على قدم فلان وهو بهذا المعنى نفسه(143)

---

(143):(الفتوحات المکیہ2/465)

حاصل گفتگو یہ ہے کہ:

کسی نبی یا کسی فرشتے کے دل پہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح وہ نبی یا فرشتہ معارف الہیہ میں متصرف اوران سے بہرہ اندوز ہوتا ہے یونہی وہ شخص بھی ان معارف میں متصرف و بہرہ اندوز ہوتا ہے جو ان نبی یا فرشتے کے دل پہ ہوتا ہے۔ کیونکہ علوم الہیہ کا ورود دلوں پہ ہوتا ہے پس جو علم ان نبی یا فرشتے کے دل پہ وارد ہوتا ہے وہ ان قلوب پہ بھی (ان کے حسبِ حال) وارد ہوتا ہے جو ان کے دلوں پہ ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کے قدم پہ ہے تو اس کے معنی بھی بعینہ یہی ہیں۔

اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی نے فتاوی رضویہ میں شیخ ابوالحسن علی شطنوفی کے حوالے سے حضور سیدنا غوثِ اعظم کا قول ذکر فرمایا:

كل ولى علٰى قدم نبى وانا علٰى قدم جدى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وما رفع المصطفٰى صلى الله تعالٰى عليه وسلم قد ما الاوضعت انا قدمى فى الموضع الذى رفع قدمه منه، الا ان يكون قد ما من اقدام النبوة فانه لا سبيل ان يناله غير نبى(144)

ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے جد اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے قدم پاک پر ہوں مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جہاں سے قدم اٹھایا میں نے اسی جگہ قدم رکھا مگر نبوت کے قدم کہ ان کی طرف غیر نبی کو اصلاً راہ نہیں۔

ابنِ عربی رحمہ اللہ تعالی حضرت مہدی کے بارے میں فرماتے ہیں:

يمشي النصر بين يديه يعيش خمساً أو سبعاً أو تسعاً يقفو أثر رسول الله

(144): (فتاوی رضویہ 15/674)

صلى الله عليه وسلم لا يخطیء(145)

مدد ان کے سامنے چلے گی۔ پانچ یا سات یا نو سال زندہ رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نشاناتِ قدم کی پیروی کریں گے، خطا نہ کریں گے۔

فرمایا:

فالمهدي ممن اتبعه وهو صلى الله عليه وسلم لا يخطیء في دعائه إلى الله فمتبعه لا يخطیء فإنه يقفو أثره وكذا ورد في الخبر صفة المهدي إنه قال صلى الله عليه وسلم يقفو أثري لا يخطیء وهذه هي العصمة في الدعاء إلى الله وينالها كثير من الأولياء بل كلهم(146)

تو مہدی ان لوگوں میں سے ہیں جو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اتباع کریں گے۔ اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دعوت الی اللہ میں خطا سے پاک ہیں تو آپ کا متبع بھی خطا نہ کرے گا کیونکہ وہ آپ ﷺ کے نشانِ قدم کی پیروی کرے گا۔ جنابِ مہدی کی صفت کے بارے میں ایسا ہی وارد ہے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے نشاناتِ قدم کی پیروی کریں گے، خطا نہیں کریں گے۔ اور یہی دعوت الی اللہ میں عصمت ہے جسے بہت سے اولیاء حاصل کر لیتے ہیں بلکہ سارے ہی۔

مزید فرمایا:

ولذلك قال رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم في صفة المهدي يقفوا ثرى لا يخطیء فعرفنا أنه متبع لا متبوع وأنه معصوم ولا معنى للمعصوم في الحكم إلا أنه لا يخطیء فإن حكم الرسول لا ينسب إليه خطأ فأنه لا

---

(145):(الفتوحات المکیۃ5/358)

(146):(الفتوحات المکیۃ5/364)

ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى (147)

اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت مہدی کی صفت میں فرمایا: وہ میرے نشانِ راہ کا پیچھا کرے گا، خطا نہ کھائے گا۔ پس ہم پہچان گئے کہ وہ پیروکار ہیں نہ کہ مقتدا۔ اور یہ کہ وہ عصمت عطا کیے گئے ہیں اور حکم میں عصمت عطا کیے جانے کے معنی یہی ہیں کہ وہ خطا نہ کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی طرف خطا کی نسبت نہ کی جائے گی، کیونکہ آپ ﷺ اپنی خواہش سے گویا نہیں ہوتے۔ آپ کی گفتگو تو وحی ہوتی ہے جو آپ کو کی جاتی ہے۔

تنبیہ: ابنِ عربی رحمہ اللہ تعالی کی گفتگومیں وارد لفظِ عصمت سے مراد وہ اصطلاحی اور شرعی عصمت نہیں جو انبیاءِ کرام وملائکہ کا خاصہ ہے۔فلیتنبہ

الحاصل:

- خطیبِ مذکور کی پہلی گفتگو میں "خطا" کے اجتہادی خطا کے معنی میں ہونے کا نہ احتمال ،نہ قرینہ۔
- لیکن اگر مان لیا جائے کہ موصوف کی گفتگو میں "خطا" کے معنی اجتہادی خطا کے ہیں، جب بھی موصوف کی گفتگو بے ادبی کے دائرے سے باہر نہیں آسکتی۔
  - کیونکہ مسئلہ اجتہادیہ میں عامی کو اجازت نہیں کہ وہ بطورِ مقابلہ کسی مجتہدِ معین کی جانب نسبتِ خطا کرے۔۔۔
  - چہ جائیکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین، چہ جائیکہ اعاظم صدیقین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔۔۔

---

(147):(الفتوحات المکیۃ5/ 368)

○ چہ جائیکہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا'جو بضعۂ رسول ہیں" ، جیسے آپ رضی اللہ تعالی عنہا کو تکلیف پہنچانا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانا ہے، یونہی آپ رضی اللہ تعالی عنہا کی طرف نسبتِ خطا حکما رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف نسبتِ خطا ہے---

فلہذا:

خطیبِ مذکور نہ صرف عظیم صحابیہ ، نہ صرف اہلِ بیتِ کرام کے عظیم فرد بلکہ "بضعۂ رسول ﷺ" کی بے ادبی کا مرتکب ہوا ہے:

کسی بھی صحابی کی بے ادبی جائز نہیں:

صحابہ کی بے ادبی کبھی کفر اور کبھی بدعت وفسق ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فسبهم والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا والا فبدعة وفسق۔(148)

صحابۂ کرام کو برا بھلا کہنا اور ان کے بارے میں طعن کرنا اگر ادلہ قطعیہ کے مخالف ہو تو کفر ہے، جیسے سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا پہ تہمت باندھنا، ورنہ بدعت وفسق ہے۔

ابوزرعہ کہتے ہیں:

«إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه

---

(148):(شرح العقائد النسفیہ، ص۳۴۷)

وسلم فاعلم أنه زنديق , وذلك أن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق , والقرآن حق , وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم , وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة , والجرح بهم أولى وهم زنادقة»(149)

جب تو کسی شخص کو دیکھے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی میں عیب نکال رہا ہے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول بھی حق ہیں اور قرآن بھی حق ہے۔ اور ہم تک یہ قرآن اور سنن رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے پہنچائیں۔ تو جو لوگ صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح کر ڈالیں، تاکہ کتاب وسنت کو باطل قرار دے سکیں۔ حالانکہ یہ لوگ جرح کے زیادہ حق دار ہیں اور زندیق ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

لا يجوز لأحد أن يذكر شيئا من مساويهم ولا يطعن عَلَى أحد منهم بعيب ولا بنقص فمن فعل ذلك فقد وجب عَلَى السلطان تأديبه وعقوبته ليس له أن يعفو عنه بل يعاقبه ويستتيبه فإن تاب قبل منه وإن ثبت عاد عليه بالعقوبة وخلده الحبس حتى يموت أو يراجع(150)

کسی کے لیے جائز نہیں کہ صحابہ کرام کی برائیاں بیان کرے اور نہ ہی یہ کہ ان میں سے کسی پر عیب یا نقص کا الزام لگائے۔ جو شخص ایسا کرے تو سلطان پہ اس کی تادیب وسزا واجب ہے۔

---

(149):(الکفایۃ ص49)

(150):(طبقات الحنابلۃ 1/30)

اسے اجازت نہیں کہ ایسے شخص کو چھوڑ دے بلکہ اسے سزادے اور اس سے توبہ کا تقاضا کرے۔ اگر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول کر لی جائے، اور اگر پیچھے نہ ہٹے تو اسے پھر سزا دے اور ہمیشہ کے لیے قید میں ڈال دے، تا آنکہ گستاخِ صحابہ مر جائے یا توبہ کر لے۔

مزید فرمایا:

فمن ذكر أحدًا من أصحاب محمد عليه السلام بسوء أو طعن عليهم أو تبرأ من أحد منهم أو سبهم أو عرض بعيبهم فهو رافضي خبيث مخبث(151)

تو جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو برائی کے ساتھ ذکر کیا، یا ان پہ طعن کیا، یا ان میں سے کسی سے بیزاری کا اظہار کیا، یا نہیں برا بھلا کہا، یا اشارۃً ان کے عیب کو بیان کیا تو وہ رافضی اور سخت خبیث ہے۔

عون المرید میں ہے:

ولو قدر للمكلف ان يخوض فيما شجر فليؤوله ولا ينتقص احدا منهم(152)

اگر مکلف کو صحابۂ کرام کے باہمی مشاجرات میں گفتگو کرنا پڑ جائے تو اس کی تاویل کرے اور ان میں سے کسی کا نقص بیان نہ کرے۔

---

(151):(طبقات الحنابلۃ 1/33)

(152):(عون المرید ص905)

امام نووی فرماتے ہیں:

واعلم أن سب الصحابة رضي الله عنهم حرام من فواحش المحرمات سواء من لابس الفتن منهم وغيره لأنهم مجتهدون في تلك الحروب متأولون كما أوضحناه في أول فضائل الصحابة من هذا الشرح قال القاضي وسب أحدهم من المعاصي الكبائر ومذهبنا ومذهب الجمهور أنه يعزر ولا يقتل وقال بعض المالكية يقتل(153)

اور جان کہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا حرام ہے، سخت ترین حرام کاموں سے ہے۔ چاہے وہ صحابہ جو فِتن میں مبتلا ہوئے یا ان کے علاوہ۔ کیونکہ وہ نفوسِ عالیہ ان جنگوں میں اجتہادی طور پر تاویل سے داخل ہوئے، جیسا کہ ہم نے اس شرح میں فضائلِ صحابہ کی ابتداء میں وضاحت کی۔

قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی صحابی کو برا بھلا کہنا کبیرہ گناہوں سے ہے اور ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے کہ اسے تعزیر کی جائے لیکن قتل نہ کیا جائے۔ اور بعض مالکیوں کا کہنا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا۔

امام ذہبی کہتے ہیں:

فَمن طعن فيهم أَو سبهم فقد خرج من الدين ومرق من مِلَّة الْمُسلمين(154)

تو جو شخص صحابہ پہ طعن کرے، یا انہیں برا بھلا کہے تو وہ دین سے نکل گیا اور مسلمانوں کی ملت سے خارج ہو گیا۔

---

(153):(شرح صحیح مسلم16/93)

(154):(الکبائر ص237)

محمد بن حسین آجری فرماتے ہیں:

لقد خاب وخسر من أصبح وأمسى وفي قلبه بغض لعائشة رضي الله عنها أو لأحد من أصحاب رسول الله ﷺ أو لأحد من أهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرضي الله عنهم أجمعين ونفعنا بحبهم(155)

وہ شخص خائب وخاسر ہے جس نے صبح وشام اس حال میں کی کہ اس کے دل میں سیدہ طیبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کا یا صحابہ کرام میں سے کسی کا، یا اہلِ بیتِ کرام میں سے کسی کا بغض ہو۔ اللہ جل وعلا ان سب سے راضی ہو اور ہمیں ان کی محبت سے نفع بخشے۔

امام مالک نے فرمایا:

من شتم أحدا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أبا بكر أو عمر أو عثمان أو معاوية أو عمرو بن العاص فإن قال كانوا على ضلال وكفر قتل وإن شتمهم بغير هذا من مشاتمة الناس نكل نكالا شديدا(156)

جس شخص نے نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو برا بھلا کہا، جنابِ ابوبکر کو، یا جنابِ عمر کو ، یا جنابِ عثمان کو، یا جنابِ معاویہ کو، یا جنابِ عمرو بن عاص کو۔۔۔ اگر اس نے کہا کہ یہ لوگ گمراہی و کفر پر تھے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور اگر انہیں لوگوں کے بیچ دی جانے والی گالیوں میں سے کوئی گالی دی تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

واما من سب احدا من الصحابة فهو فاسق ومبتدع بالاجماع الا اذا اعتقد انه مباح او يترتب عليه ثواب كما عليه بعض الشيعة او اعتقد

---

(155) (الشریعۃ5/2427)

(156):(الشفا2/308)

كفر الصحابة فانه كافر بالاجماع(157)

جو شخص کسی بھی صحابی کوبرا بھلا کہے وہ بالاجماع فاسق وبدعتی ہے۔ الا آنکہ اس فعل کو مباح جانے، یا اس پہ ثواب سمجھے، جیسا کہ بعض شیعہ کی رائے ہے۔ یا صحابہ کو کافر سمجھے تو اب وہ بالاجماع کافر ہے۔

فتاوی رضویہ واحکام شریعت میں ہے:

جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔(158)

فتاوی رضویہ میں ہے:

ان کی نسبت کوئی کلمہ اس سے زائد گستاخی کا نکالنا بے شک رفض ہے اور خروج از دائرہ اہلسنت جو کسی صحابی کی شان میں کلمہ طعن وتوہین کہے، انہیں بُرا جانے، فاسق مانے، ان میں سے کسی سے بغض رکھے مطلقاً رافضی ہے۔(159)

مکتبۃ المدینۃ کی شائع کردہ" قانونِ شریعت" کے صفحہ 19 پہ ہے:

عقیدہ29: صحابی کی توہین کا حکم

کسی صحابی کے ساتھ بدعقیدگی گمراہی وبدمذہبی ہے، حضرت امیر مُعاوِیہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت وحشی(رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُم) وغیرہ کسی صحابی کی شان میں "بے اَدَبی" تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی۔

---

(157):(تنبیہ الولاۃ والحکام367)

(158):(فتاوی رضویہ29/256،احکامِ شریعت1/118)

(159):(فتاوی رضویہ29/608)

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ کی بے ادبی کرنے والے کا حکم

عقیدہ30:

کوئی وَلی کتنے ہی بڑے مرتبہ کا ہو کسی صحابی کے رُتبہ کو نہیں پہنچتا، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ سے حضرت امیر مُعاوِیہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کی جنگ خطائے اِجتہادی ہے جو گناہ نہیں اس لیے حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کو ظالم، باغی سرکش یا کوئی بُرا کلمہ کہنا حرام و ناجائز بلکہ تبرا ورفض ہے۔(160)

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

کیا "خطا" کی نسبت "سَبّ" ہے؟

یہاں پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ:

خطیبِ مذکور نے تو سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کو "سَبّ" نہیں کیا، "خطا" کی نسبت کی ہے تو کیا "خطا" کی نسبت "سَبّ" کے زمرے میں داخل ہے؟؟؟

میں کہتا ہوں کہ:

یہ سوال نہیں بلکہ عوام کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ ہم نے سطورِ بالا میں بیان کیا کہ خطیبِ مذکور نے:

جگر گوشۂ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کی جانب، مخصوص موقع سے متعلق، بطورِ مقابلہ، جانبِ مقابل کا دفاع کرتے ہوئے، مجمع عام میں، بر سرِ منبر، انتہائی بھونڈے انداز میں، بلاقید، خلافِ واقع، وقوعِ خطا و غلطی کی نسبت کا، تکرار کیا ہے۔۔۔

(160):(قانونِ شریعت ص19)

ایسی شدید نوعیت میں یہ سوال کرنا کہ:

" خطا کی نسبت "سَبّ" ہے یا نہیں"

سراسر زیادتی ہے۔

بالکل ویسے ہی کہ ایک شخص نے دوسرے کو دسیوں طریقوں سے اذیت پہنچائی اور آپ ان دسیوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو لے کر کسی مفتی کے پاس فتوی لینے چلے جائیں کہ اگر کوئی ایسا کرے تو حکم کیا ہو گا۔۔۔ ظاہر سی بات ہے کہ مفتی تو ایک ہی بات کا حکم بیان کرے گا لیکن سوال کرنے والے نے سوال میں جس دھوکا دہی سے کام لیا ہے، اس کا جواب دہ وہ اللہ جل وعز کے دربار میں خود ہو گا۔

لہذا:

اولا تو یہ سوال سراسر دھوکا ہے۔

ثانیا:

"سَبّ" کی تعریف میں کہا جاتا ہے:

هوالكلام الذى يقصد به الانتقاص والاستخفاف، وهو ما يفهم منه السب فى عقول الناس على خلاف اعتقاداتهم كاللعن والتقبيح ونحوه۔(161)

"سَبّ" وہ کلام ہے جس سے تنقیص و تحقیر مقصود ہو۔ اور یہ وہ امر ہے جس سے لوگوں کے نظریات میں ان کے اعتقاد کے بر خلاف گالی سمجھی جائے۔ جیسے لعنت بھیجنا، برا کہنا وغیرہ

"خطا" فی نفسہ دال بر "قصور" ہے۔ پھر جب اس "قصور" کی نسبت کسی بڑی شخصیت کی

---

(161):(الصارم المسلول1/10)

طرف کی جاتی ہے، جس شخصیت سے لوگوں کی عقیدتیں وابستہ ہوتی ہیں تو اس شخصیت کے بڑے پن، نیز اس سے وابستہ عقیدتوں کی مقدار کے اعتبار سے اس نسبتِ خطا کے قبح میں شدت وضعف ظاہر ہوتا ہے۔

سطورِ بالا میں قانونِ شریعت کے حوالہ سے گزرا کہ: "صحابی کی شان میں بے اَدَبی تبرا ہے" حالانکہ ہر کس وناکس کی مطلقا بے ادبی تبرا شمار نہیں ہوتی، لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی عظمتِ شان اور ان سے وابستہ عقیدتوں کے وفور کے پیشِ نظر ان کی بے ادبی تبرا بنتی ہے۔

جب کسی بھی صحابی کی بے ادبی "تبرا" ہے تو کیا سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب انتہائی بھونڈے انداز میں مطلقا خطا کی خلافِ واقع نسبت "بے ادبی" نہیں ؟؟؟

اگر بے ادبی ہے اور یقیناً ہے تو کیا یہ بے ادبی "تبرا" اور "سَبّ" شمار نہ ہو گی ؟؟؟

میرے بھائی خدا لگتی کہنا

حضرت سیدنا امیر مُعاوِیہ رضی اللہ تعالی عنہ کی بے ادبی تبرا۔۔۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ کی بے ادبی تبرا۔۔۔۔

حضرت وحشی رضی اللہ تعالی عنہ کی بے اَدَبی " تبرا۔۔۔

اور سطورِ بالا میں "قانونِ شریعت" کے حوالے سے گزرا کہ:

"اس کا قائل رافضی"

تو جگر گوشۂ رسول ﷺ کی بے ادبی تبرا کیوں نہیں ؟؟؟

نبی ﷺ کے جگر کے ٹکڑے کی بے ادبی کرنے والا ناصبی کیوں نہیں ؟؟؟

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ؟؟؟

ثالثا:

امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے"ما منعك أن تسب أبا تراب" کی ایک توجیہ یہ بھی فرمائی:

"ويحتمل تأويلا آخر أن معناه ما منعك أن تخطئه في رأيه واجتهاده وتظهر للناس حسن رأينا واجتهادنا وأنه أخطأ"(162)

یہ گفتگو ایک اور تاویل کا احتمال رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ اس کے معنی ہیں تجھے جنابِ علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی جانب ان کی رائے اور اجتہاد میں خطا کی نسبت سے کیا چیز مانع ہے؟ اور یہ کہ تم لوگوں کے سامنے ہماری رائے اور ہمارے اجتہاد کا حسن ظاہر کرو اور یہ کہ جنابِ علی المرتضی سے خطا ہوئی۔

یعنی اس گفتگو میں"سَبّ" کا مطلب ہے کہ تم حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کی جانب"خطا اجتہادی" کی نسبت کیوں نہیں کرتے؟؟؟

بات قابلِ غور ہے کہ:

الفاظِ روایت ہیں: تم سیدنا ابو تراب رضی اللہ تعالی عنہ کو"سَبّ" کیوں نہیں کرتے؟؟؟

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم سیدنا علی المرتضی کی جانب "خطا اجتہادی" کی نسبت کیوں نہیں کرتے۔۔۔ لوگوں کے سامنے ہمارے اجتہاد کی خوبی اور ان کی اجتہادی خطا کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟؟؟

واضح رہے کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالی"خطا" کی بات نہیں کر رہے، بلکہ"سَبّ" کے معنی"اجتہادی خطا کی نسبت" کر رہے ہیں۔۔۔

یا تو امام نووی کی اس توجیہ کو غلط قرار دیا جائے اور ان ائمہ کو بھی غلط کہا جائے جنہوں نے امام نووی کی اس توجیہ پہ اعتماد کیا، یا اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ "اجتہادی خطا کی نسبت

(162):(شرح نووی15/175،176)

بھی بعض اوقات، بعض شخصیات کے لیے سَب شمار ہوتی ہے"

ہمارا دعوی یہ نہیں کہ:

"اجتہادی خطا" ہر شخص کے حق میں ہر موقع سے متعلق"سَبّ" شمار ہو گی۔ ہمارا دعوی وہ ہے جو امام نووی کی گفتگو سے مستفاد کہ:

بعض لوگوں کے حق میں، بعض مواقع سے متعلق"اجتہادی خطا" کی نسبت بھی"سَبّ" ہی شمار ہوتی ہے۔

جب سیدنا علی المرتضی حیدرِ کرار رضی اللہ تعالی عنہ کی جانب مخصوص مسئلہ میں اجتہادی خطا کی نسبت کو امام نووی رحمہ اللہ تعالی"سَبّ" شمار کر رہے ہیں، کیونکہ واقع کے مطابق نہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب واقع کے بر خلاف"خطا اجتہادی" کی نہیں، مطلق خطا کی نسبت کو بھی"سَبّ" نہیں مانا جا رہا؟

تنبیہ نبیہ:

واضح رہے کہ خطا اجتہادی کی نسبت کا"سب" ہونا مطلق نہیں۔ بلکہ ناسب اور منسوب الیہ کی حیثیت، لوگوں کے اعتقادات ونظریات، مقابلہ وعدمِ مقابلہ، بصورتِ مقابلہ ہر دو جانب کی حیثیات کے تفاوت کے ساتھ ساتھ واقع کے ساتھ مطابقت وعدمِ مطابقت میں سے ہر ایک ملحوظ ہے۔فلیتنبہ

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

بسوخت دیدہ ز حیرت:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سيكون في آخر أمتي أناس يحدثونكم ما لم تسمعوا أنتم، ولا آباؤكم(163)

میری امت کے آخر میں کچھ لوگ ہوں گے جو تمہیں وہ باتیں سنائیں جو نہ تم نے سنیں اور نہ تمہارے باپ دادا نے۔

کچھ ایسا ہی معاملہ خطیبِ مذکور کی شانِ سیدۃ النساء میں بے ادبی کے بعد سامنے آ رہا ہے۔ ایسے ایسے قواعد اور امور پیش کیے جا رہے ہیں کہ اگر اصحابِ فن ایڑی چوٹی کا زور بھی لگا دیں تو ان ضوابط اور ان امور کو ثابت کرنے سے قاصر رہیں گے۔

انہی امور میں سے ایک ہے "خطا اجتہادی کا صفتِ مدح ہونا"

یعنی وہ امر جس کو امام نووی بعض اوقات بعض شخصیات کے لیے"سَبّ" شمار کر رہے ہیں، فضلائے عصر اسے مطلقاً صفتِ مدح بتا رہے ہیں۔

میں نے سنتے ہی کہا:

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو جی میں آئے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اگر خطا اجتہادی صفتِ مدح ہے تو ہر ہر صحابی کو ہر ہر معاملے میں اجتہادی خطا کا موصوف ٹھہرائیے۔۔۔

مسئلہ فدک ہی کو لے لیجیے۔۔۔اس میں سیدنا ابو بکر صدیق کو خطا اجتہادی کا موصوف

---

(163)(صحیح مسلم6)

بنائیے۔۔۔

حضرت عمرِ فاروق، جنابِ عثمانِ ذو النورین، جنابِ حیدرِ کرار کو ہر ہر مسئلہ میں اجتہادی خطا کا مرتکب قرار دیجیے۔۔۔ کیونکہ صفتِ مدح ہے۔

کیوں نا امامِ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو یزید کے مقابل خطا اجتہادی کا مرتکب ٹھہرایا جائے ، تاکہ شہادت کے ساتھ ساتھ یہ صفتِ مدح بھی حاصل ہو جائے۔۔۔

امام ابو حنیفہ کو ساری فقہ میں خطا اجتہادی کا موصوف قرادیجیے، کیونکہ صفتِ مدح ہے۔

امامِ اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ کو تمام تر مسائل میں خطا اجتہادی کا مرتکب بتائیے۔۔۔

حضرت اعلی پیر مہر علی شاہ صاحب کو جمیع مسائل میں اجتہادی خطا کا موصوف بنائیے۔۔۔

حضور غزالیٔ زماں امام اہلسنت قبلہ کاظمی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کو ہر ہر مسئلہ میں خطا اجتہادی کا مرتکب بتائیے۔۔۔

بلکہ ساری امت کے جمیع اکابر ائمۂ دین۔۔۔ نہیں نہیں ، بلکہ تمام انبیاء و مرسلین علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والتسلیم کو ہر ہر معاملہ میں خطا اجتہادی کا موصوف قرار دیجیے ، کیونکہ خطا اجتہادی بری تھوڑا ہی ہے۔۔۔ یہ تو صفتِ مدح ہے۔۔۔!!!

جب خطا اجتہادی صفتِ مدح ہے تو انبیاءِ کرام سے خطا اجتہادی کے مجوزین کے ہاں ان کا ذکر صرف تلاوتِ قرآن اور روایتِ حدیث میں ہی کیوں جائز ہے؟ اس کے علاوہ حرام سخت حرام بلکہ بعض اوقات کفر ہونے کی کیا وجہ ہے؟ کیا کوئی اور بھی ایسی صفتِ مدح ہے کہ جس کا ذکر حرام بلکہ کفر ہو؟؟؟

میرے آقا ﷺ نے سچ فرمایا:

إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة(164)

---

(164):(صحیح بخاری 59)

جب معاملہ نااہل کے ہاتھوں سونپ دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

معمولی سی عقل کا حامل بھی سمجھ سکتا ہے کہ "خطا" اپنی ذات میں قصور و کوتاہی کی حامل ہے، پھر یہ صفتِ مدح کیسے بن سکتی ہے؟

علماء فرماتے ہیں:

إن خطأ المجتهد لا يقدح فيه(165)

مجتہد کی خطا اس میں اعتراض کا باعث نہیں بنتی۔

کیا صفتِ مدح کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال ہونے چاہییں؟

کیا صفتِ مدح کے موصوف کی اس قسم کے دفاع کی محتاجی ہوتی ہے؟؟؟

امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں:

ومنهم من يستدل به بخطأ أحد المجتهدين وعذره في خطئه(166)

بعض علماء نے اس سے مجتہدین میں سے ایک کی خطا اور خطا میں اس کے معذور ہونے پر دلیل پکڑی۔

اگر اجتہاد صفتِ مدح ہے تو اس خطا میں مجتہد کو "معذور" قرار دینے کے کیا معنی؟؟؟

امامِ اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

خطاء اجتہادی دو قسم ہے، مقرر و منکر، مقرر وہ جس کے صاحب کو اُس پر برقرار رکھا جائے گا اور اُس سے تعرض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ جس پر

---

(165):(تفسیر بیضاوی 4/57،روح البیان 5/505،البحر المدید 3/483)

(166):(تاویلات اہل السنۃ 7/363)

انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو۔(167)

حامیانِ خطیبِ مذکور سے سوال ہے کہ کیا صفتِ مدح بھی منکر ہوتی ہے؟؟؟

اگر کوئی اور صفتِ مدح بھی منکر ہوتی ہے تو کم از کم ایک مثال ہی پیش کر دی جائے، تاکہ فہمِ مسئلہ میں آسانی ہو۔۔۔!!!

میں کہتا ہوں کہ لفظِ "منکَر" کو رہنے دیجیے، آپ لفظِ "مقرر" ہی کو لے لیجیے۔۔۔ کیا صفتِ مدح کے لیے اس طرح کے الفاظ بولے جاتے ہیں؟؟؟ کلامِ اہلِ علم میں اس کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟؟؟

حیرت ہے ان لوگوں پر جو اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کا نام لے کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں، حالانکہ ان کی تعلیمات سراسر تعلیماتِ امامِ اہلسنت سے جدا بلکہ معارض ہیں۔۔۔

اس قسم کے لوگوں کو وہی کہا جائے گا جو جنابِ عمر بن علی نے شیعہ حضرات کی بابت کہا

واللہ إن ھؤلاء إلا متأکلون بنا(168)

اللہ کی قسم یہ لوگ تو ہمارے ذریعے سے کھانے والے ہیں۔

اس قسم کے لوگ بھی اعلیحضرت کا نام لے کر کھانے والے اور عزتیں بٹورنے والے ہیں، ورنہ فکرِ اعلیحضرت سے ان حضرات کو کوئی سروکار نہیں۔

اعلیحضرت کا اندازِ ادب تو یہ ہے کہ جب حدیث میں "لما اقترف آدم الخطیئۃ" کے الفاظ آتے ہیں تو ترجمہ تک چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔ اور دوسری طرف آج کے تہ جمانانِ مسلکِ اعلیحضرت کو دیکھیے کہ بڑے شد و مد سے سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی خطا ثابت

---

(167): (فتاوی رضویہ 29/353، 354)

(168): (الطبقات الکبری لابن سعد 5/325)

کرنے پہ کمر بستہ ہیں۔۔۔اس کے لیے سیمینار کیے جا رہے ہیں۔۔۔ سوشل میڈیا ٹیم کے ذریعے انبیاءِ کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام کی خطائیں بیان کروائی جا رہی ہیں۔۔۔

گرہمی مکتب و ہمی مُلا
کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

أتعجب من قوم لبس الله عقولهم :

خطا کو صفتِ مدح شمار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ خطا اجتہادی پہ ایک اجر ملتا ہے، لہذا یہ صفتِ مدح ٹھہری۔۔۔!!!

اقول: یہ گفتگو بھی اس رائے کے حاملین کی کم علمی اور سطحیت کی بین دلیل ہے۔"خطا اجتہادی پہ اجر" اور "خطا اجتہادی کی صورت میں اجر" کے درمیان بونِ بعید ہے۔

تحقیقِ مقام:

یہ ہے کہ: خطا اجتہادی کی صورت میں دو چیزیں متحقق ہوتی ہیں؛

(1): اجتہاد

(2): خطا

ان دو میں سے صفتِ مدح "اجتہاد" ہے نہ کہ "خطا" اور اجر بھی "اجتہاد" پر ہے نہ کہ "خطا" پر۔ خطا تو اپنی ذات کے اعتبار سے مستحقِ ملامت ہے۔ البتہ جب راہِ اجتہاد میں حاصل ہوئی تو اللہ جل وعز کی جانب سے اسے لباسِ عفو پہنا دیا گیا۔ اگر یہ صفتِ مدح ہتی تو عفو کی محتاجی چہ معنی دارد؟

امام قرطبی کی گفتگو ملاحظہ ہو:

اجتهاده عبادة ولا يؤجر على الخطأ بل يوضع عنه الإثم فقط(169)

(169):(تفسیر قرطبی 311/11)

مجتہد کا اجتہاد عبادت ہے اور خطا پہ اجر نہیں دیا جاتا، بلکہ اس سے صرف گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔

فرمایا:

من أخطأ فهو معذور مأجور(170)

جسے خطا لگی وہ(خطا کے معاملے میں) معذور(اجتہاد پر) ماجور ہے۔

فرمایا:

المخطیء فیها معذور بالاتفاق(171)

اجتہاد میں مخطئ بالاتفاق معذور ہے۔

تفسیرِ کبیر میں ہے:

قال بعض المتقدمين: كل مجتهد مصيب في الأصول لا بمعنى أن اعتقاد كل واحد منهم مطابق للمعتقد، بل بمعنى سقوط الإثم عن المخطئ(172)

بعض متقدمین نے فرمایا: اصول میں ہر مجتہد مصیب ہے، نہ کہ اس معنی کے لحاظ سے کہ ہر ایک کا اعتقاد معتقَد کے مطابق ہے۔ بلکہ مخطئ سے گناہ ساقط ہو جانے کے لحاظ سے۔

الاساس میں ہے:

وأثيب على اجتهاده وصرف وسعه لطلب الحق(173)

---

(170):(تفسیر قرطبی 310/11،المحرر الوجیز 91/4)

(171):(تفسیر کبیر 461/3 ، اللباب فی علوم الکتاب 566/1 ، غرائب القرآن 260/1)

(172):(تفسیر کبیر 220/11)

(173):(الاساس فی التفسیر 857/2)

اور مجتہد کو اجتہاد پر اور طلبِ حق کی خاطر کوشش صرف کرنے پر ثواب دیا جاتا ہے۔
محاسن التاویل میں ہے:
وإذا كان في الباطن ما هو أرجح منه كان مخطئا معذورا، وله أجر على اجتهاده وعمله بما بين له رجحانه، وخطؤه مغفور له(174)
جب باطن میں ایسی چیز موجود ہو جو اس کی رائے سے زیادہ راجح ہے تو وہ مخطئ ہے، معذور ہے۔ اور اس کے لیے اپنے اجتہاد پر اور جس چیز کا رجحان اس پر واضح ہوا اس پر عمل پر اجر ہے۔ اور اس کی خطا بخشی ہوئی ہے۔
امام بغوی نے فرمایا:
وقوله عليه السلام: «وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر» ، لم يرد به أنه يؤجر على الخطأ بل يؤجر على اجتهاده في طلب الحق لأن اجتهاده عبادة، والإثم في الخطأ عنه موضوع إذا لم يأل جهده.(175)
آپ ﷺ کا فرمانِ گرامی: "اور جب اجتہاد کرے پھر خطا کر بیٹھے تو اس کے لیے اجر ہے" آپ ﷺ نے اس بات کا ارادہ نہیں فرمایا کہ خطا پہ اجر دیا جائے گا، بلکہ حق کی تلاش میں اجتہاد پہ اجر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا اجتہاد عبادت ہے اور اس سے خطا کے معاملے میں گناہ مرفوع ہے بشرطیکہ اس نے کوشش میں کوتاہی نہ کی ہو۔
یہ جملے محض بطورِ مثال پیش کیے ہیں۔ ورنہ کتبِ اصول و شروح و تفاسیر اس قسم کی گفتگو سے بھری پڑی ہیں، جس کے ملاحظہ کے بعد معمولی عقل کا حامل بھی خطا اجتہادی کو مطلقاً صفتِ مدح نہیں کہہ سکتا۔

---

(174):(محاسن التاویل 2/378)
(175):(تفسیر البغوی 3/300)

اور اگر تنزلا اسے صفتِ مدح مان لیا جائے تو تحقیق یہ ہے کہ
صفاتِ مدح دو قسم کی ہیں:

(1): حقیقیہ (2): اضافیہ

اجتہادی خطا اگر صفتِ مدح شمار ہو تو محض اضافیہ ہے جو "خطا معصیت" کی نسبت باعثِ مدح ہو گی۔ ورنہ فی نفسہ خطا ہونے اور ایک اجر سے حرمان کا باعث ہونے کے باوجود باعثِ مدح کیسے ہو سکتی ہے ؟؟؟

اور صفتِ مدح اضافیہ اپنی ذات میں حاملۂ قصور، اور یہ قصور عمومی ذکر میں اگر ظاہر نہ بھی ہو لیکن بوجہِ مقابلہ اس کا شعور نسبتا واضح۔ لہذا من وجہ صفتِ مدح ہو کر بھی عند المقابلہ اس کی نسبت غیر مرضی۔

محسوسات سے اس کی نظیر یوں سمجھی جائے کہ جیسے کانا اپنی ذات میں حاملِ قصور ہے، لیکن اندھے کے مقابل نسبتا بہتر۔ لیکن یہی لحاظ جب مکمل بینا کے مقابل ہو تو قصور و عیب واضح۔

یونہی آپ مرتکبِ خطائے معصیت کو نابینا کی جگہ رکھیں اور مکمل بینا کی جگہ مجتہدِ مصیب کو رکھیں اور ان دونوں کے بیچ مجتہد مخطئ کو درجہ دیں۔۔۔ اجتہاد ایک آنکھ کے قائم مقام جو لائقِ مدح، لیکن خطا کی حیثیت دوسری آنکھ سے محرومی کی سی ہے جو فی نفسہ قصور۔۔۔ لیکن چونکہ یہ خطا راہِ اجتہاد میں واقع ہوئی، اور شریعتِ اسلامیہ اجتہاد کی حوصلہ افزائی فرماتی ہے کیونکہ اس سے تحقیق کے نئے نئے دروازے کھلتے ہیں اور میدانِ علم وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے، اس لیے فی نفسہ قصور ہو کر بھی اسے چادرِ عفو سے ڈھانپ دیا جاتا

ہے۔۔۔ لیکن جب اس خطا اجتہادی کی کسی شخصیت کی طرف نسبت کی جائے تو ناسب، منسوب الیہ کی حیثیت، لوگوں کے اعتقادات و نظریات، مقابلہ و عدمِ مقابلہ، بصورتِ مقابلہ ہر دو جانب کی حیثیات کے تفاوت کا اعتبار کرتے ہوئے کبھی یہ صفتِ عیب شمار نہیں ہوتی اور کبھی صفتِ عیب گردانی جاتی ہے، جیسا کہ سطورِ بالا میں ذکر ہوا۔

بہر حال:

اجر "خطا اجتہادی" پر نہیں ہوتا، خطا اجتہادی کی صورت میں اجر ہو سکتا ہے اور وہ ہو گا "اجتہاد" پہ نہ کہ "خطا" پہ۔ اور خطا اجتہادی فی حد ذاتہ قصور ہے، لیکن عارضۂ اجتہاد کے باعث یہ قصور حکماً معدوم ہے۔

فلہذا اگر خطیبِ مذکور کی گفتگو میں "خطا" بمعنی "خطا اجتہادی" اور پھر اسے صفتِ مدح بھی مان لیا جائے جب بھی بوجہِ مقابلہ خالی از سوءِ ادب نہ ہو گی۔
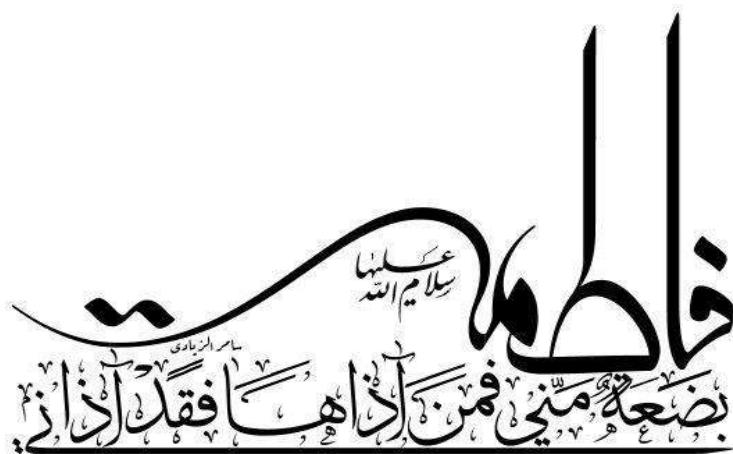
اکابر صحابہ کی بے ادبی:

ہم نے سطورِ بالا میں ذکر کیا کہ: "کسی بھی صحابی کی بے ادبی حرام ہے"لیکن صحابہ کرام میں سے اکابر مثل سیدنا ابو بکر صدیق، جنابِ عمرِ فاروق، حضرت عثمانِ غنی، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے۔۔۔ ان نفوسِ عالیہ کی بے ادبی شدید حرام بلکہ بعض فقہاء نے اسے کفر تک شمار کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

من سب عليا فقد سبني(176)

جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

فمقتضاه أن يكون سب علي كفرا(177)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت علی کو گالی دینا کفر ہو۔

امیر محمد بن اسماعیل فرماتے ہیں:

ظاهره وجوب قتل من سب عليًّا لأنه ساب للنبي ولله تعالى ومن سب النبي قتل ومن سب الله قتل(178)

حدیث سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس نے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ نبی ﷺ اور اللہ جل وعلا کو گالی دینے والا ہے۔ اور جو نبی ﷺ کو گالی دے اسے قتل کیا جائے گا اور جو رب جل وعلا کو گالی دے اسے بھی قتل کیا جائے گا۔

---

(176):(مسند احمد26748)

(177):(مرقاۃ المفاتیح9/3942)

(178):(التنویر10/253)

عزیزی فرماتے ہیں:

ظاهره أنه يصير مرتدًا(179)

اس سے ظاہر ہے کہ وہ مرتد ہو جائے گا۔

فیض القدیر میں فرمایا:

وفيه إشارة إلى كمال الاتحاد بين المصطفى والمرتضى بحيث أن محبة الواحد توجب محبة الآخر وبغضه يوجب بغضه ولا يلزم منه تفضيل علي على الشيخين لما بين في علم الكلام(180)

اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ اور جنابِ حیدرِ کرار کے بیچ کمالِ اتحاد کی طرف اشارہ ہے، بایں طور کہ ان ہستیوں میں سے ایک کی محبت دوسری ہستی کی محبت کی موجِب ہے اور ایک کا بغض دوسری ہستی کے بغض کا موجِب۔ لیکن اس سے سیدنا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہ الکریم کی شیخینِ کریمین پر تفضیل لازم نہیں آتی، جیسا کہ علمِ کلام میں بیان کیا گیا ہے۔

اور علامہ ابنِ حجر نقل فرماتے ہیں:

وفي وجه حكاه القاضي حسين في تعليقه أنه يلحق بسبّ النبي صلى الله عليه وسلم سبّ الشيخين وعثمان وعلي رضي الله تعالى عنهم أجمعين(181)

ایک وجہ کے مطابق جسے قاضی حسین نے اپنی تعلیق میں حکایت کیا، یہ ہے کہ شیخینِ

---

(179):(السراج المنیر 4/300)

(180):(فیض القدیر 6/147)

(181):(الاعلام بقواطع الاسلام ص89)

کریمین اور جنابِ عثمان و علی کو"سَبّ" کرنا، رسول اللہ ﷺ کے "سَبّ" کے ملحقات سے بنے گا۔

سطورِ بالا میں مذکور حدیث اور کلماتِ علماء سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جیسے صحابہ کرام کے درجات یکساں نہیں اسی طرح ان کی بے ادبی کا حکم بھی یکساں نہیں۔ بے ادبی کسی بھی صحابی کی حرام ہے لیکن اکابر صحابہ کی بے ادبی بعض اوقات حد کفر تک بھی پہنچ جاتی ہے۔

اور تمام اہلِ ایمان کا ایمان ہے کہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا عام صحابیہ نہیں بلکہ فرمانِ مصطفی ﷺ کے مطابق جنتی عورتوں کی سردار ہیں، پھر ان کی بے ادبی معمولی کیسے ہو سکتی ہے؟

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

اہلِ بیتِ کرام کی بے ادبی:

پھر سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کو اضافی خوبی یہ بھی حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہا شرفِ صحابیت کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتِ نبوۃ سے بھی ہیں۔ اور اہلِ بیتِ نبوت کی بے ادبی کے بارے میں قاضی عیاض فرماتے ہیں:

وسب آل بيته وأزواجه وأصحابه صلى الله عليه وسلم وتنقصهم حرام ملعون فاعله(182)

اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت، آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور آپ ﷺ کے صحابہ کو برا بھلا کہنا اور ان کی شان گھٹانا حرام ہے، ایسا کرنے والا لعنتی ہے۔

(182):(الشفا2/307)

شیخ دردیر کہتے ہیں:

و شدد عليه أيضا في نسبة شيء قبيح من قول أو فعل لأحد ذريته عليه السلام مع العلم به وذريته عليه السلام انحصرت في أولاد فاطمة الزهراء وأما آل البيت من غيرها مع العلم بهم فالظاهر أنه كذلك(183)

اور اس شخص پر نبی ﷺ کی ذریت میں سے کسی کی جانب بری بات یا برے فعل کی نسبت پر بھی سختی کی جائے، جبکہ جسے برا بھلا کہا گیا اس کے نبی ﷺ کی ذریت ہونے کا علم ہو۔ اور آپ ﷺ کی ذریت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی اولاد میں منحصر ہے۔ رہی بات ان کے علاوہ اہلِ بیتِ کرام کو جانتے ہوئے ان کی بے ادبی کی تو ظاہر یہ ہے کہ ان کا معاملہ بھی یوں ہی ہے۔

شیخ دردیر کی گفتگو سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء کے لیے نہیں، بلکہ ہر اس شخص کے لیے ہے جس کی بابت معلوم ہو کہ یہ اولادِ مصطفی ﷺ سے ہے یا اہلِ بیتِ کرام سے ہے۔ پھر سیدہ فاطمہ زہراء کی بے ادبی کرنے والے کے لیے حکم یقیناً سخت ہو گا۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ: اہلِ بیتِ نبوت میں سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء کے عظیم مقام و مرتبہ کا اندازہ لگانا تو ناممکن ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالی کا فتوی ملاحظہ ہو جو ہر اس شخص کے بارے میں ہے جس کی نسبتِ کاشانۂ مصطفی ﷺ کی جانب ہے۔ فرمایا:

من سب من انتسب الى بيت النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يضرب ضرباوجيعاويستمر ويحبس طويلاحتى يظهرتوبته لانه استخفاف بحق الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم۔(184)

---

(183):(الشرح الکبیر للشیخ الدردیر4/312)

(184): السیف المسلول علی من سب الرسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ص135)

جو شخص نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس کی جانب منسوب شخص کو برا بھلا کہے، اسے سخت ترین مار لگائی جائے اور لگاتار ایسا کیا جاتا رہے اور لمبا عرصہ قید میں ڈالا جائے۔ یہاں تک کہ اس کی توبہ ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ یہ فعل در حقیقت رسول اللہ ﷺ کے حق کی تحقیر ہے۔

اللہ اکبر!

یہ ہے حقیقی سنیت۔۔۔اسے ادبِ مصطفی ﷺ کہتے ہیں۔ کہ ہر وہ شخص جو کاشانۂ مصطفی ﷺ کی جانب منسوب ہے، وہ واجبِ احترام ہے۔اس کے لیے ہلکے الفاظ استعمال نہیں کیے جاسکتے۔

ان کے گھر بے اجازت جبریل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلبیت

یہاں ایک ملعون فرقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے خلاف اپنی بدباطنی پھیلاتا پھرتا ہے اور دوسرا فرقہ اہلسنت میں ظاہر ہو چکا ہے جو ایسی ذاتِ والا جو صرف "کاشانۂ مصطفی ﷺ کی جانب منسوب" نہیں، بلکہ "ذاتِ مصطفی ﷺ کی جانب منسوب" ہیں، لیکن یہ راہِ راست سے بھٹکا ہوا گروہ جگر پارۂ مصطفی ﷺ کی جانب ہلکے الفاظ کی نسبت کو دین بتاتا پھر رہا ہے اور اپنے مخالفین کو رافضی و تفضیلی و نیم رافضی قرار دے رہا ہے۔

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

بضعۂ رسول ﷺ کی بے ادبی:

اولادِ مصطفی ﷺ حضور ﷺ کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ ان کا حکم دیگر آل واصحاب سے مختلف ہے۔ سطورِ بالا میں ہم مفصلا بیان کر چکے کہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب کسی بھی ہلکی چیز کی نسبت حکمی طور پر مصطفی کریم ﷺ کی جانب نسبت ہے۔ اور سیدہ فاطمہ زہراء کی بے ادبی حکما مصطفی کریم ﷺ کی بے ادبی ہے۔ لہذا اس بے ادبی کا حکم عام صحابی، یا کاشانۂ نبوت کے دیگر نفوسِ قدسیہ کی بے ادبی سے شدید تر ہے۔ جب عام صحابہ کی بے ادبی رافضیت ہے تو لازمی طور پہ بضعۂ رسول ﷺ کی بے ادبی ناصبیت قرار پائے گی۔

قابلِ توجہ:

مسئلہ مبحوث عنہا میں سیدہ رضی اللہ تعالی عنہاکو خطا پر کہنا ضروریاتِ اہلسنت کی خلاف ورزی ہے۔ اگر یہ مسئلہ ضروریات سے نہ ہوتا توخطیبِ مذکور کے جملے سنتے ہی ہر عام وخاص چونک نہ جاتا، ہر سنی کا دل تڑپ نہ اٹھتا۔ اور ضروریات سے ہونے کے لیے اتنی قدر کافی ۔اور ضروریات کی مخالفت ضلالت وبد مذہبی ہے۔

کچھ لوگوں نے سانحۂ کربلا سے متعلق سیدنا امام حسین پر اعتراض رکھا تو ان کی بابت اعلیحضرت فرماتے ہیں:

اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلالت و بدمذہبی صاف ہے، بلکہ انصافا یہ اس قلب سے متصو نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شمّہ ہو۔

وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون

شک نہیں کہ اس کا قائل ناصبی مردود اور اہلِسنت کا عدو عنود ہے۔(185)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بے ادبی پر زبانِ انکار کھولنے والے صحیح العقیدہ سنی علماء ومشائخ کو رافضیت کے فتووں سے نوازنے والے امامِ اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ پر بھی کوئی نا کوئی فتوی لگائیں، جن کی نگاہ میں امامِ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو واقعہ کربلا سے متعلق "الزام" دینے والا "ناصبی مردود اور اہلِسنت کا عدو عنود" ہے۔

کیا سیدنا امامِ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی ذاتِ والا کے بارے میں چند لوگوں نے قلا بازیاں نہیں کھائیں؟ کیا کچھ لوگوں نے یزید پلید کے لیے اچھے جملے استعمال نہیں کیے؟ توکیا دوچار

---

(185):(فتاوی رضویہ ج14ص593)

لوگوں کے ایسا کرنے سے مسئلہ ضروریاتِ اہلسنت سے نکل گیا؟ اگر سیدنا امامِ حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں چند لوگوں کے کلام سے مسئلہ ضروریاتِ اہلسنت سے نہیں نکلا تو سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی کی بابت جو چند عبارات توڑ مروڑ کر پیش کی جاتی ہیں، ان سے یہ مسئلہ ضروریاتِ اہلسنت سے کیسے نکل سکتا ہے؟

اعلیحضرت کا ایک اور فتوی ملاحظہ ہو، پوچھا گیا:

ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وسلم کے وقت میں شراب پی اور حالت نشہ میں نماز میں سورۃ غلط پڑھی؟

اعلیحضرت نے جوابا فرمایا:

امیر المومنین سیدنا مولانا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی نسبت امر مذکور کا بیان کرنے والا اگر اس شان اقدس مرتضوی پر طعن چاہتا ہے تو خارجی ناصبی مردود جہنّمی ہے ورنہ بلاضرورت شرعیہ عوام کو پریشان کرنے والا سفیہ، احمق، بد عقل، بے ادب ہے۔(186)

اقول:

جس شخص کے بارے میں اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی سے پوچھگیا اس نے:

(1): حضرت علی کی جانب (2): ایسی چیز کی نسبت کی جس کی نسبت معیوب ہے (3): لیکن ایسے وقت کے بارے میں جب یہ نسبت معیوب نہ تھی (4): اور ممکن کہ وہ بعض مرویات کا سہارا لے۔۔۔ لیکن سوال میں "مجمع عام"، "برسرِ منبر"، "قبیح اسلوب"، "تکرار" وغیرہا امور کا ذکر نہیں۔۔۔ پھر بھی اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا

یا: خارجی ناصبی مردود جہنّمی ہے۔

یا: سفیہ، احمق، بد عقل، بے ادب ہے۔

---

(186): (فتاوی رضویہ 25/203)

اور خطیبِ مذکور نے تو:

(1): جگر گوشۂ مصطفی ﷺ کی جانب (2): ایسی چیز کی نسبت کی جس کی نسبت معیوب ہے، (3): اور ایسے وقت کے بارے میں کہ اس وقت بھی نسبت معیوب تھی (4): اور کسی روایت کا سہارا بھی نہیں، صحیح تو درکنار کوئی ضعیف وموضوع بھی ہاتھ میں نہیں۔۔۔ "مجمع عام"، "بر سرِ منبر"، "قبیح اسلوب"، "تکرار" وغیرھا اس پہ مستزاد۔۔۔

فلہذا:

اگر خطیبِ مذکور کی گفتگو سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ والا پہ طعن پر محمول نہ بھی ہو تو اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی کے اس فتوی کے تناظر میں موصوف کی سفاہت، حماقت، بدعقلی اور بے ادبی ضرور ہے۔

"سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا طبقۂ محفوظین اور اکابر اولیاء سے ہونا ضروریاتِ اہلسنت سے ہے"

ہم سطورِ بالا میں بیان کر چکے کہ "سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے وقوعِ خطا کا قول در حقیقت آپ کے طبقۂ اکابر محفوظین سے ہونے کا انکار ہے۔ اور حفظ کا انکار امام قشیری کے مطابق انکارِ ولایت کو مستلزم ہے" اور یہ بھی ضروریاتِ اہلسنت کے انکار کی مانند بنے گا۔

یہاں یہ کہنا کہ:

موصوف کی مراد "خطا اجتہادی" تھی جو حفظ کے منافی نہیں۔ تو اس سلسلے میں ہم گزارش کر چکے کہ اس کا ارادہ محض باطل اور خود موصوف کی گفتگو اس سے انکاری۔۔۔

اگر ایسی تاویلیں درست ہوتیں تو:

کیا گستاخانہ عبارات کی تاویلیں نہیں کی جاتیں؟

اگر کی جاتیں ہیں تو انہیں کیوں نہیں مانا جاتا؟

ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ:

ادعاء التاویل فی لفظ صراح لایقبل۔(187)

صریح لفظ میں تاویل کا دعوی مقبول نہیں۔

اگر آپ کی نظر میں الفاظِ صریحہ میں بھی تاویلیں معتبر ہیں تو پہلی فرصت میں اعلان کر دیجیے کہ:

گستاخانہ عبارات کو سمجھنے میں ہمارے اکابر بالخصوص اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی عنہ کو غلطی لگ گئی تھی۔۔۔

---

(187):(شفاء2/217، سبل الھدی والرشاد12/25)

اور کچھ بعید نہیں کہ موصوف ایسا کہہ ڈالیں، جب جگر گوشۂ رسول ﷺ کے لیے بول سکتے ہیں۔ اپنی باتوں کو درست ثابت کرنے کے لیے سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام تک جاسکتے ہیں تو بعد والوں کو کہنا توان کے لیے آسان ہے۔

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

نئے ضابطے، نئے مغالطے:

خطیبِ مذکور نے:

- پہلے تو سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب انتہائی بھونڈے انداز میں وقوعِ خطاو غلطی کی نسبت کا تکرار کیا۔

پھر جب گرفت ہوئی تو:

- پہلے پہل اپنی بات پہ ڈٹ گئے۔
- پھر "خطا" کے "خطا اجتہادی" کے معنی میں ہونے کا دعوی کر ڈالا۔
- پھر بھی ان کے گرد گھیرا تنگ ہوتا گیا تو موصوف نے پینترا بدلا اور گفتگو کے تین مراحل بیان کیے:

1. سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ والا سے متعلق عمومی گفتگو
2. مسئلہ باب فَدک سے متعلق گفتگو
3. مسئلہ بابِ فَدَک سے متعلق دفاعی صورتِ حال

پہلے دونوں مراحل کے بارے میں کہا کہ سیدہ طیبہ طاہرہ زہراء رضی اللہ تعالی کی طرف "خطا کی نسبت جائز نہیں"

18جون والے خطاب کے دوران کہا

اصل میں مسئلہ یہ ہے میرا مذہب میرا عقیدہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ گرامی کے لحاظ سے آپ کی طرف بلا تمہید اصالۃ یعنی مطلقا گفتگو کرتے ہوئے یا کوئی یہ سوال کرے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ گرامی کی طرف خطا کی نسبت کرنا چاہیے ، جائز ہے؟

تو میرا یہ جواب ہے: نہیں چاہیے ، جائز نہیں۔

(خطاب18جون2020ء)

دوسرے مرحلہ کی بابت کہا

نہ بولا ہے ، نہ بولنا اس میں جائز سمجھتے ہیں۔

(خطاب18جون2020ء)

تیسرے مرحلہ پر اجازت دیتے ہوئے پیر مہر علی شاہ صاحب کے حوالے سے کہا

اس کا جواب دینے کے لیے مجبورا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو معصومہ اور غیر معصومہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یہ بتانا پڑا کہ سیدہ رضی اللہ تعالی عنہا معصومہ نہیں اور معصومہ نہیں کا آگے جو مطلب ہے اس میں یہ ہے کہ امکانِ خطا ہے جو کہ ہم نے اس کی تشریح میں کہا کہ جو ماضی کے لحاظ سے جس میں امکانِ خطا ہے پھر وہ امکان بمعنی وقوع ہے۔

(خطاب18جون2020ء)

ایسا لگتا ہے کہ خطیبِ مذکور ذہنی خلجان کا شکار ہیں اور ان کا ذہن ہچکولے کھا رہا ہے۔ اگر ان کی ایک ایک بات پہ گرفت کی جائے تو اس کے لیے کئی مجلدات درکار ہیں۔ بہر حال اہلِ علم کے لیے موصوف کے مذکورہ بالا جملوں سے ہی واضح ہو گیا کہ وہ اپنی پہلے کی ہوئی گفتگو کو

"ناجائز" قرار دے چکے ہیں۔

اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے کہ موصوف خود اپنے آپ پر فتوی لگا چکے ہیں، اگرچہ وہ اپنا فتوی بھی ماننے کو تیار نہیں۔

بہر حال

:موصوف نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے موقف پراستدلال کرتے ہوئے قرآنِ عظیم کی مبارک آیہ:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ(188)

میں سے "هذا ربی" پہ گفتگو کرتے ہوئے انتہائی خطرناک جملے بولے۔کہنے لگے

ہوں اللہ تعالی کے خلیل اور ستارے کو اپنا رب کہہ دیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

لیکن قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا۔۔!!!(انتھی)

(خطاب 18جون 2020ء)

جی ہاں، قارئینِ کرام!

موصوف یہاں سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہی کی بات کر رہے ہیں کہ انہوں نے ستارے کو اپنا رب کہا اور حوالہ قرآن کا دے رہے ہیں۔۔!!!

موصوف کی گفتگو دوبارہ ملاحظہ ہو:

ہوں اللہ تعالی کے خلیل اور ستارے کو اپنا رب کہہ دیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

(188): الانعام 76

لیکن قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا۔۔۔!!!(انتھی)

جیسے ہی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ذاتِ والا سے متعلق ان کی بے ادبی کی خبر عام ہوئی تو موصوف سے مختلف طریقوں سے رابطہ کیا گیا، یہاں تک کہ منت سماجت کی گئی کہ خدارا اپنے اور اہلِسنت کے حال پہ رحم کھایئے اور اہلِسنت کو مزید تقسیم مت کیجیے۔ لیکن موصوف اپنے علمی گھمنڈ میں کسی بڑے چھوٹے کو خاطر میں نہ لا رہے تھے اور پھر بڑھتے بڑھتے کہاں تک پہنچ گئے، آپ دیکھ سکتے ہیں۔۔۔معاذ اللہ ثم معاذ اللہ سیدنا ابراہیم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام کی طرف کلمہ ء کفر کی نسبت اور حوالہ قرآن کا۔۔۔

سیدہ فاطمہ زہراء تو معصومہ نہیں، کیا موصوف کے نزدیک سیدنا ابراہیم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام بھی معصوم نہیں؟ کیا انبیاء بلکہ خلیل الرحمن کلمہ ء کفر بول سکتے ہیں؟ کیا اہلِ اسلام میں سے ایسا کسی کا مذہب ہے؟؟؟ اور کیا قرآن کی کسی آیت کو کلمہ ء کفر کہا جاسکتا ہے؟؟؟

موصوف کی یہ گفتگو انتہائی خطرناک اور:

- ❖ قرآن میں تحریفِ معنوی کے مترادف ہے۔
- ❖ حضرت سیدنا ابراہیم علی نبیناوعلیہ الصلوۃوالسلام کی جانب کفر کی نسبت ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)
- ❖ سیدنا ابراہیم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام کی تکذیب کو متضمن ہے۔

واللہ لو صدر مثل ھذا الکلام من إنسان عن اعتقادہ لکان کافرا لکن لا نفتی بتکفیر مسلم أمکن حمل کلامہ علی محمل حسن أو کان في کفرہ اختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ واللہ عز اسمہ اعلم

خطیبِ مذکور کی جملہ مذکورہ کے بعد والی گفتگو ملاحظہ ہو
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي
اب ھذا کس پر بولا؟؟؟ستارے پر۔۔۔یہ جملہ ستارے کے لحاظ سے میں کہوں آپ کہیں کوئی کہے تو کفر ہو گا کہ ستارہ تو رب نہیں رب تو وحدہ لا شریک اللہ ہے۔
تو اب؟؟؟هَذَا رَبِّي۔۔۔قرآن کہہ رہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ستارے کے بارے میں کہا۔(انتھی)
(خطاب18جون2020ء)
قارئینِ کرام!
ان جملوں کو دوبارہ پڑھیں:
یہ جملہ ستارے کے لحاظ سے میں کہوں آپ کہیں کوئی کہے تو کفر ہو گا کہ ستارہ تو رب نہیں رب تو وحدہ لا شریک اللہ ہے۔
تو اب؟؟؟هَذَا رَبِّي۔۔۔قرآن کہہ رہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ستارے کے بارے میں کہا۔ (انتھی)
لا حول ولا قوۃ الا باللہ
قارئینِ کرام!
یہاں صرف قرآنِ عظیم کی مبارک آیہ "هَذَا رَبِّي" کو کفر نہیں کہا جا رہا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے ایسا کہا۔۔۔
میں موصوف کے حامیوں سے کہوں گا کہ اس کی کیا توجیہ کریں گے؟؟؟

کیا آج تک کوئی ایسا شخص امتِ مسلمہ میں پیدا ہوا جس نے ایسا کہا ہو؟؟؟

بے ادبیاں کرنے والے ، گستاخیاں کرنے والے ہر دور میں رہے لیکن اہلِ اسلام میں سے کبھی کوئی ایسا نہیں ہوا جو کلماتِ قرآنیہ کو "کفر" بولے اور اللہ کے نبی وخلیل کو اس کفر کا قائل کہے۔۔۔

چند منٹ بعد کہا:

یہ بھی اس چیز کی مثال ہے کہ جواب دیتے وقت کہ کچھ مجبوریاں اور ہیں کہ وہ اس کے اندر عام لفظ استعمال کرنا ، اب یہ وہ مقام ہے جس کے اندر وہ لفظ عام استعمال کرنا کفر اور حرام ہے ۔۔۔ایسے ہی غیر اللہ کو رب کہنا کفر اور حرام ہے۔۔۔لیکن کہا گیا ہے مقابل کے مسلمات اور اس کے نظریے کے مطابق اسے جھنجھوڑنے کے لیے اسے جواب دینے کے لیے۔(انتھی)

(خطاب18جون2020ء)

قارئینِ کرام!

اس گفتگو کو بھی دوبارہ ملاحظہ کریں،موصوف کہہ رہے ہیں:

"ایسے ہی غیر اللہ کو رب کہنا کفر اور حرام ہے۔لیکن کہا گیا ہے مقابل کے مسلمات اور اس کے نظریے کے مطابق"(انتھی)

گفتگو مشکل نہیں ہے ، میں سمجھتا ہوں کہ ہر اردو دان ان جملوں کو سمجھ سکتا ہے کہ موصوف کہنا چاہ رہے ہیں کہ "اگرچہ غیر اللہ کو رب کہنا کفر اور حرام ہے لیکن کفار کے مسلمات کے مطابق کہہ دیا گیا"

یعنی کفار ستاروں کو رب مانتے تھے ، انہیں ستاروں کا رب ہونا تسلیم تھا تو

اس کے مطابق ابراہیم علیہ السلام نے بھی ستارے کو رب کہہ دیا۔۔۔انا للہ وانا الیہ راجعون

موصوف کی نادانی اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے۔اسی دوران کنزالایمان سے ترجمہ پڑھ کے سنایا جو بالکل درست تھا، لیکن اس کے باوجود"ھذاربی" کو جملہ خبریہ بنا کر نہ صرف کلمہ کفر قرار دیا بلکہ سیدنا ابراہیم علی نبیناوعلیہ الصلوۃ والسلام سے اس کا صدور بھی بتایا۔۔اعاذنا اللہ تعالی من ذلک الجہل العظیم

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

اسی طرح کا معاملہ آیہ مبارکہ:

قُلْ لَا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ (189)

کے ساتھ کیا۔

موصوف کی گفتگو ملاحظہ ہو:

قُلْ لَا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا۔۔۔کافروں سے آپ یہ فرما دیں۔۔۔ کیا فرمائیں؟؟؟اب وہ جو لفظ ہیں اگلے وہ ہماری زبانیں بولنے سے اپنے طور پر قاصر ہیں۔۔۔وہ لفظ ہے :أَجْرَمْنَا۔۔۔جو عام ایک صیغہ کے طور پر کوئی پوچھے تو اس کا مطلب ہے : ہم نے جرم کیا۔۔أَجْرَمْنَا۔۔۔ہم نے جرم کیا۔

یہ ہم کونسی ذات کا یہاں ذکر ہو رہا ہے أَجْرَمْنَا میں؟

یہ رسولِ پاک ﷺ اپنا ذکر کر رہے ہیں۔

---

(189):(سبا25)

اور رب کروا رہا ہے "قل" محبوب آپ فرما دو۔

(خطاب18جون2020ء)

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا؛

أَجْرَمْنَا یہاں جو لفظ بولا گیا وہ براہِ راست ذاتِ رسول علیہ السلام پر بولنا کفر ہے حرام ہے ناجائز ہے کہ اس میں جرم کی نسبت کی جا رہی ہے۔۔۔

اور قرآن میں یہ بولا گیا تو کس پر بولا گیا؟؟؟حالانکہ دوسرا کوئی لفظ لکھا ہوا نہیں ہے۔

(خطاب18جون2020ء)

"اجرمنا" کا ذاتِ مصطفی ﷺ کے لیے اطلاق حرام اور کفر بتانے کےباوجود کہہ رہے ہیں:"اور قرآن میں یہ بولا گیا"

یعنی جو اطلاق کفر ہے، حرام ہے وہ قرآنِ عظیم میں موجود ہےنہ جانے وہ اور ان کے حامی اس گفتگو کی کیا تاویل کرتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ موصوف کی گفتگو شدید خطرناک ہے۔۔۔اعاذنا اللہ من ذلک

بات تو سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا سے چلی تھی لیکن توبہ ورجوع نہ کرنے اور اپنی غلطی پہ ڈٹ جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآنِ عظیم کی مبارک آیات کو کفر کہہ ڈالا ، سیدنا ابراہیم اور سید الرسل ﷺ کو ان کفریات کا قائل کہہ ڈالا۔۔۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ

خطیبِ مذکور پر لازم کہ اپنی اس قسم کی گفتگو سے اعلانیہ توبہ کرے لکن لا نكفره متى أمكن حمل كلامه على محمل حسن

مزید مغالطے:

خطیبِ مذکور لگاتار عوامِ اہلسنت کو مغالطے دینے میں مصروف ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام میں شدید اضطراب و تشویش کی فضاپیدا ہو چکی ہے۔یوں تو موصوف کے مغالطے لاتعداد ہیں، لیکن بطورِ مثال چند ملاحظہ ہوں:

- موصوف نے جگر گوشۂ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ و علی آلہ وصحبہ وسلم کی جانب مخصوص موقع سے متعلق بطورِ مقابلہ جانبِ مقابل کا دفاع کرتے ہوئے مجمع عام میں بر سرِ منبر انتہائی قبیح انداز میں بلا قید خلافِ واقع وقوعِ خطا و غلطی کی نسبت کا تکرار کیا۔

لیکن اب ایسی عبارات اور کلماتِ علماء پیش کیے جارہے ہیں جن میں مجتہدین یامطلقا اہلِ بیت کی جانب "امکانِ خطا" کی نسبت کا بیان ہے۔یقینایہ ایک دھوکا ہے۔

- عوامی ردعمل کارخ موڑنے کے لیےاپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی سیدناپیر مہر علی شاہ صاحب کی جانب نسبت کردی۔

حالانکہ ہم نے سطورِ بالا میں امامِ اہلسنت، مجددِ دین وملت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو ذکر کی اور اس کا مطلب واضح کیا، جس سے معمولی عقل والا شخص بھی سمجھ سکتاہے کہ قطبِ دوراں سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو میں سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب دور دور تک خطا کی نسبت کانام ونشان نہیں۔

- مسئلہ عصمت وحفظ کی وضاحت کیے بغیر عوام کو الجھارہے ہیں اوریہ تاثر دیاجارہاہے کہ چونکہ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہامعصومہ نہیں، محض محفوظہ ہیں لہذا ان سے صدورِ خطاماننے میں کوئی حرج نہیں۔

❖ "یونہی یہ باور کروایا جارہاہے کہ اگر معصوم مانیں گے تو نبوت کی برابری لازم آئے گی۔" اور بعض حامیوں نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ "ختمِ نبوت کا انکار لازم آئے گا"

ہم نے شروع میں بیان کیا کہ اصطلاحی اور شرعی معنی کے لحاظ سے انبیاءِ کرام و ملائکہ کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں۔ لیکن پھر بھی اگر سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کو معصوم مانا جائے، چاہے شرعی معنی ہی کے لحاظ سے معصوم مان لیا جائے تو وہ غلط ضرور ہے لیکن "نبوت" کی برابری والا قول سراسر باطل ہے۔ ذواتِ معصومہ کے بعض افراد سے مساوات کا قول تو کیا جاسکتا ہے لیکن کسی نوع کے خاصہ اضافیہ میں اشتراک کی وجہ سے اس پوری نوع کے ساتھ مساوات کا "لزوم" معقول نہیں۔

رہی بات ذواتِ معصومہ کے بعض افراد سے مساوات تو ماتریدیوں کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔فان عامة البشر من الاتقیاء افضل من عامة الملائكة غیر خواصها عند السادة الماتریدیة كما هو المصرح به فی العمدة للامام حافظ الدین النسفی وشرحه القدیم وشرح الجوهرة للامام ابراهیم اللقانی وجامع البحار شرح تنویر الابصار

بالفاظِ دیگر:

عصمت انبیاء و ملائکہ میں سے ہر دو کا خاصہ ہے۔ اور ہمارے نزدیک اکابر صحابہ و اکابر اہلبیتِ کرام، اکابر اولیاءِ کرام عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یعنی سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا معصومین کی ایک بہت بڑی تعداد کے برابر نہیں ،بلکہ ان سے افضل و اعلی ہیں۔ پھر یہ مغالطہ کہ اگر معصوم مان لیا تو انبیاء سے برابری لازم آئے گی۔۔ کیا یہ سراسر دھوکا پر مبنی نہیں؟ وہ تو معصومین کی بہت بڑی تعداد سے افضل و اعلی ہیں۔۔!!!

اور کیا فرشتوں کو معصوم ماننے سے انہیں انبیاءِ کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام کے مساوی مانا جارہا ہے؟

تنبیہ:

یہ گفتگو اس لیے نہیں کی کہ ہمارے نزدیک سیدہ طیبہ طاہرہ معصومہ ہیں۔ ہر گز نہیں۔ جو سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کو اصطلاحی وشرعی معنی کے اعتبار سے معصومہ سمجھے وہ خارج از اہلسنت ہے۔ یہ گفتگو صرف اس لیے کی کہ مسلمان بھائیوں کو اندازہ ہو کہ خطیبِ مذکور مختلف طریقوں سے عوامِ اہلسنت کو مغالطے دینے میں مصروف ہے۔

❖ فواتح الرحموت کی عبارت

ایک مغالطہ کئی ہفتوں سے دیا جارہا ہے کہ:

صاحبِ فواتح الرحموت علامہ عبد العلی رحمہ اللہ تعالی نے سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے تقاضائے فدک کو خطا اجتہادی سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں فواتح الرحموت کی یہ عبارت پیش کی جاتی ہے:

وأهل البيت كسائر المجتهدين يجوز عليهم الخطأ في اجتهادهم وهم يصيبون ويخطؤن وكذا يجوز عليهم الزلة وهي وقوعهم في أمر غير مناسب لمرتبتهم من غير تعمد كما وقع من سيدة النساء رضي الله تعالى عنها من هجرانها خليفة رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه وسلم حين منعها فدك من جهة الميراث ولا ذنب فيه(190)

(190):(فواتح الرحموت3/488)

یعنی اہلِ بیتِ کرام دیگر مجتہدین کی مانند ہیں ، ان سے اجتہای خطا ممکن ہے وہ اپنے اجتہادات میں مصیب بھی ہوتے ہیں اور مخطئ بھی ہو سکتے ہیں اور یونہی ان پر لغزش بھی جائز ہے اور لغزش کا مطلب ہے: ان نفوسِ عالیہ کا بلا ارادہ کسی ایسے معاملے میں پڑ جانا جو ان کے مرتبہ کے لائق نہیں۔ جیسے سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے خلیفہ کا ہجران ہوا جب جنابِ ابو بکر صدیق نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو فدک بطورِ میراث دینے سے منع کیا۔ اور اس میں کوئی گناہ نہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ معمولی سمجھ بوجھ والا شخص بھی اس عبارت کو بغور پڑھ لے تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ:

"علامہ عبد العلی بحر العلوم نے تقاضائے فدک کو خطا اجتہادی کہا ہے"

لیکن چونکہ جانبِ مقابل اور ان کے کھلے اور چھپے حامی اس حوالے کو بڑی شد و مد سے پیش کرتے رہے ہیں اور باقی پوری ملت اسلامیہ کو علمی یتیم قرار دیتے رہے ہیں جو ان کا پرانا مزاج ہے، بلکہ یوں کہیے کہ "المرء يقيس على نفسه "کا حق اداء کر رہے ہیں، لہذا ان کی خاطر قدرے وضاحت ضروری سمجھتا ہوں:

فاقول:

سابقہ گفتگو میں دو باتیں موجود ہیں:

(1): خطا اجتہادی (2): لغزش

اگر" كما وقع من سيدة النساء رضي الله تعالى عنها" کو خطا اجتہادی کی مثال بنایا جائے تو:

1. سوال یہ ہو گا کہ: اسے لغزش کے بعد ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جب مثال خطا

اجتہادی کی ہے تو اسے خطا اجتہادی کے متصل بعد کیوں نہیں بیان کیا گیا؟

2. نیز: قرب کی وجہ سے یہ لغزش کی مثال بن سکتی ہے تو"خطا اجتہادی" کی مثال بنانا جو بعید ہے، اس کا باعث اور اس پہ قرینہ کیا ہے؟

3. مزید بر آں اسی فواتح میں آگے چل کر اہلِ بیتِ کرام سے اجتہادی اختلافات کی مثالیں بیان کی گئی ہیں، اگر اس مثال کو بھی اجتہادی خطا کی مثال بنایا جائے گا تو پھر علامہ عبد العلی پر بھی اعتراض ہو گا کہ اجتہادی خطا اور لغزش دو چیزیں ذکر فرمائیں، ان میں سے ایک کی کئی مثالیں دے دیں جبکہ دوسری چیز کی ایک بھی مثال نہ دی۔۔۔ بر خلاف اس کے کہ اس مثال کو"لغزش" کی مثال بنایا جائے اور باقی امثلہ کا تعلق اجتہادی اختلافات سے جوڑا جائے تو اب علامہ عبد العلی کی گفتگو بھی بے غبار ہو جائے گی۔

4. لہذا درست یہی ہے کہ یہ "لغزش" کی مثال ہے نہ کہ اجتہادی خطا کی۔ اور لفظ" كما وقع" جو بمعنی "مثل وقوع" ہے، اس کی"وهي وقوعهم" سے مناسبت تامہ گویا نص کی حیثیت رکھتی ہے کہ یہ مثال"هي وقوعهم "کی ہے، یعنی لغزش کی۔

5. اور آخری جملہ "لا ذنب فيه" یعنی "اس میں کوئی گناہ نہیں" کس چیز کے بارے میں ہے؟

ظاہر ہے کہ خطا اجتہادی کے بارے میں تو ہے نہیں، کیونکہ اجتہادی خطا میں گناہ کا تصور بھی نہیں۔ یقینا اس کا تعلق "لغزش" سے ہے۔ اب اگر"كما وقع" کو اجتہادی خطا کی

مثال بنایا جائے تو گفتگو میں عجیب بے ارتباطی پیدا ہو جائے گی، پہلے لغزش کی تعریف کی جا رہی ہے، آگے چل کر اس کا حکم بیان کیا جارہا ہے اور لغزش کی تعریف اور حکم کے درمیان لغزش کی مثال دینے کے بجائے"اجتہادی خطا" کی مثال کو داخل کیا جارہا ہے۔۔۔۔ کیا اس طرح کی گفتگو کسی عقل مند سے ممکن ہے، چہ جائیکہ علامہ عبد العلی بحر العلوم جیسی شخصیت سے ایسی گفتگو کا صدور مانا جائے۔

6. اہم بات یہ ہے کہ اس مثال پر اجتہادی خطا کی تعریف کسی بھی زاویہ سے سچی نہیں آ رہی، البتہ لغزش کی بیان کردہ تعریف بالکل صادق آرہی ہے۔ تو کتنی بڑی زیادتی ہے کہ خطا اجتہادی کی تعریف ہی منطبق نہیں، محض اپنے دعوی کو زبردستی ثابت کرنے کے لیے اس کی مثال ہونے پر اصرار کیا جائے اور لغزش کی بیان کردہ تعریف بالکل سچی آرہی ہے پھر بھی اس کی مثال بنانے سے اعراض برتا جائے۔

7. بالفرض اگر اسے اجتہادی خطا کی مثال قرار دے بھی دیا جائے تو پھر بھی اس موقع پر اس گفتگو کو پیش کرنا کسی دھوکا سے کم نہیں۔ کیونکہ گفتگو "مطالبہ فدک" سے متعلق ہو رہی ہے اور" كما وقع من سيدة النساء رضي الله تعالى عنها" میں "مطالبہ فدک" سے متعلق کوئی بات ہی نہیں کی جارہی، بلکہ سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے جنابِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو ہجران اور آپ سے متعلق انقباضی کیفیت کا بیان ہو رہا ہے۔ پھر بھی یہ مثال آپ کے دعوی سے مکمل طور پر مختلف ہے۔

یہ چند مغالطے بطورِ مثال ذکر کیے ہیں ورنہ موصوف کے حالیہ دنوں کے خطابات میں سے شاید کوئی بھی خطاب ایسا نہ ہو جو مغالطوں سے خالی ہو۔ اور ان مغالطوں کو معمولی خیال نہ کیا جائے۔۔۔عوام کے نظریات کتب کے مندرجات سے کہیں زیادہ اس قسم کے خطیبوں کے خطابات پر مبنی ہوتے ہیں۔ پس موصوف کے اس قسم کے مغالطے عوام کی گم راہی کا سبب بن سکتے ہیں۔

البتہ:

موصوف کے ان مغالطوں پر کوئی ایک حکم نہیں لگتا، کیونکہ مغالطوں کی نوعیت اور سنگینی کے فرق سے حکم مختلف ہو گا۔ لیکن اس قسم کے لوگوں سے متعلق اسلاف کا عمل دیکھ لیا جائے:

- صبیغ بن عسل نے جب متشابہ القرآن میں گفتگو شروع کر دی اور لوگوں کو مغالطے دینے لگ گیا۔ اسی دوران مدینہ طیبہ آیا تو سیدنا عمرِ فاروق نے اس کے لیے چھڑیاں جمع کر کے رکھ لیں۔ جب وہ دربارِ فاروقی میں پہنچا تو آپ نے فرمایا:

تو کون ہے؟

بولا: اللہ کا بندہ صبیغ بن عسل

جنابِ عمر نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ عمر

پھر اس کے سر پہ چھڑیاں مارنا شروع کیں یہاں تک کہ اس کا سر زخمی ہو گیا۔

آخر کار وہ بولا: اے امیر المؤمنین! مجھے چھوڑ دیجیے، سر میں جو (غبار) محسوس کرتا تھا وہ جا چکا ہے۔(191)

بعض روایات میں ہے کہ جناب عمر فاروق نے اس کی پیٹھ پہ چھڑیاں ماریں۔ جب پیٹھ زخمی ہو گئی تو اسے ٹھیک ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔ جب ٹھیک ہو چکا تو دوبارہ بلا کر اسے چھڑیاں لگائیں اور ٹھیک ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔ جب سہ بارہ بلوایا تو اس نے عرض کی کہ اب میں (ذہنی طور پر) درست ہو چکا ہوں۔

جنابِ عمرِ فاروق نے جنابِ ابو موسی اشعری کی جانب لکھ بھیجا کہ لوگوں کو اس کے ساتھ بیٹھنے نہ دیا جائے تا آنکہ یہ اچھی طرح توبہ کر لے۔ پھر جنابِ ابو موسی اشعری نے لکھ بھیجا کہ اس نے اچھی طرح توبہ کر لی ہے تو جنابِ عمر نے لوگوں کو اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی اجازت دے دی۔(192)

- غیلان بن یونس قدری ضال مضل نے جب اپنے عقیدۂ فاسدہ کو پھیلانا شروع کیا۔ تو جنابِ عمر بن عبد العزیز نے بلا کر تنبیہ کی۔ اس نے وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں کرے

---

(191): (سنن دارمي 1/ 252، الشريعة للآجری 1/ 483، 5/ 2556، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة 4/ 702)

(192): (سنن دارمي 1/ 254، البدع لابن وضاح 2/ 111)

گا۔ لیکن عمر بن عبد العزیز جانتے تھے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، آپ نے دعا کی

اللهم إن كان عبدك غيلان صادقا وإلا فاصلبه

اے اللہ اگر تیرا بندہ غیلان سچا نہ ہو تو اسے سولی چڑھا دے۔

جنابِ عمر بن عبد العزیز کے وصال کے بعد اس نے اپنی گمراہی کی تبلیغ شروع کی اور لوگوں کو مغالطے دینا شروع کیے تو ھشام بن عبد الملک نے اسے بلا لیا۔ پھر امام اوزاعی سے اس کا مناظرہ ہوا جس میں وہ ہار گیا اور اس ضال مضل کو سولی پہ لٹکا دیا گیا۔(193)

یہ واقعات ذکر کرنے کا مقصد محض اتنا ہے کہ عوام کو دینی امور میں مغالطے دینے والے معاشرے میں کسی ناسور سے کم نہیں ہوتے، لہذا ضروری ہے کہ ان کی برائی کو جیسے بن پڑے روکا جائے۔

(193):(تاریخ دمشق48/196،205)

نیااقدام:

اگر خطیبِ مذکور اپنی افکار و نظریات میں اپنے آپ کو اہلسنت کی تصریحات کا پابندبناتاتو موصوف ایک ہی فکر پر گامزن رہتے۔ لیکن چونکہ موصوف کوخود اجتہاد کا شوق ہے لہذا روزانہ ان کی فکرِ تازہ نئے گل کھلاتی رہتی ہے۔

- پہلے تو انتہائی بدترین طریقےسے سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء کی جانب وقوعِ خطا کی نسبت کی اور تکرار کیا۔
- گرفت ہونے کے بعد پہلے مرحلہ میں تمام علماء کو چیلنج کردیا۔
- پھر تاویل کردی کہ اس سے مراد خطااجتہادی تھی۔
- پھر گفتگو کے تین مقامات بناکر دو مقامات پہ اطلاق کوناجائزاور ایک پہ جائز قرار دیا۔
- پھر تیسرے مقام سے بھی روک دیااور "بے گناہ بے خطا" کا نعرہ لگانے لگ گئے۔

ظاہر تو یہ ہے کہ جس کا پہلے اطلاق کیا تھا اسی سے روکا جارہاہے۔ اگر ایسا ہی ہے توپہلے اسی کو اجر وثواب کہاتھا، پھراب روکنے کا مطلب بنا کہ "اجر وثواب کی نفی کرناچاہتاہے"

دوسرے لفظوں میں یوں کہاجائے کہ:

اب "بے گناہ بے خطا" کا نعرہ لگایا، پہلے اگر خطا سے مراد خطا اجتہادی تھی تو نفی کے کیا معنی؟

اور اگر خطائے معصیت تھی، جیسا کہ "بے گناہ" سے مقارنہ مشعر تو پھراب تک خطا اجتہادی کاڈھنڈوراپیٹنے کے کیا معنی؟؟؟

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

تتبعِ زلاتِ علماء

خطیبِ مذکوراپنی غلطیوں کو درست ثابت کرنے کی خاطر کتبِ تفاسیر وشروح سے کوئی نا کوئی عبارت ایسی نکال کرلا رہاہے جس کے ذریعے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ بے ادبی صرف مجھ سے نہیں ہوئی بلکہ علماء اسلام کی ایک بڑی اکثریت ایسی بے ادبی کی مرتکب ہوئی ہے،معاذ اللہ من ذلک

اس سلسلے میں:

- پہلی چیز یہ ذہن نشین رہے کہ خطیبِ مذکوراب تک کوئی ایک بھی ایسی عبارت نہیں لا سکا جو محلِ نزاع سے متعلق ہو۔سب سے پہلے فواتح الرحموت کی عبارت کا دعوی کیا جس کا راقم الحروف نے سات وجہ سے رد کیا کہ اس کا محلِ نزاع سے تعلق ہی نہیں بلکہ اس کا حوالہ پیش کرنا ہی خطیبِ مذکور کی کوتاہ فہمی کی دلیل ہے۔

گفتگو کی ابتداء میں بتایا گیا کہ خطیبِ مذکور کی ابتدائی غلطی یہ ہے کہ اس نے:

جگر گوشۂ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کی جانب، مخصوص موقع سے متعلق ، بطورِ مقابلہ، جانبِ مقابل کا دفاع کرتے ہوئے، مجمع عام میں، بر سر منبر، انتہائی قبیح انداز میں، بلا قید، خلافِ واقع، وقوعِ خطاو غلطی کی نسبت کا، تکرار کیاہے۔

اور اب تک وہ صاحب جتنے حوالے پیش کر چکے ہیں انہیں دیکھ لیا جائے، ان شاء اللہ کوئی ایک بھی ایساحوالہ نہیں ہو گا جس کا محلِ نزاع سے تعلق ہو۔

- دوسری چیز جسے ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ:

عرف بدلتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہرقل کو خط میں لکھا:

ادعوک بدعایة الاسلام

میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

اور آج کے عرف میں "دعایۃ" کا عمومی استعمال propaganda کے معنی میں ہے۔

لہذا جب گفتگو مسئلہ اساءتِ ادب سے متعلق ہے جس کا معیار عرف ہے، تو چار سو سال یا ہزار سال پرانا عرف، یا اہلِ عرب کا عرف، یا مخصوص فنون کی اصطلاحات کو پیش کر دینا دجل و تلبیس ہے۔

- تیسری چیز جسے ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ:

ہر کتاب کے تمام تر مندرجات کو اصول و قواعد کا لحاظ کیے بغیر معتبر مان لینا اور مصنف ومؤلف کی جانب نسبت یقینی جاننا نادانی ہے۔ بسا اوقات ناسخین سے غلطی ہو جاتی ہے، مرورِ ایام کے ساتھ کچھ امور دانستہ یا نادانستہ کتب میں داخل ہو سکتے ہیں، اس لیے کتب کے مندرجات اگر اصول وضوابط کے موافق ہوں تو ان پر اعتماد کیا جائے گا۔ لیکن اگر اصولِ مسلمہ و قواعدِ ثابتہ کے موافق نہ ہوں، یا ان کے ثبوت میں تردد ہو تو ان امور کی مصنف ومؤلف کی جانب یقینی نسبت کے لیے تثبت و تبین ضروری ہے، اور بعد از ثبوت ایسی گفتگو کو اس کے محل پہ رکھا جائے گا۔

- ✓ فلاسفہ کی کتب میں بہت سی ایسی چیزیں موجود ہیں جو ان کی تکفیر کی موجب ہیں، لیکن ہمارے علماء نے قدماء فلاسفہ کی تکفیر سے اجتناب کیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جو چیزیں

ان کی جانب منسوب ہیں، جب تک ان کا اتصال درجہ یقین تک نہیں پہنچ جاتا، اس وقت تک تکفیرِ شخصی نہیں کی جاسکتی۔

علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ومما يجب ان يعلم ان قدماء الفلاسفة المؤسسين للحكمة كانوا تلامذة الانبياء ومن خواص المؤمنين كما يظهر للناظر فی تواريخهم واما الذی يوجد فی كتبهم مما يخالف الشرع فاما من غلط الناقلين واما من قصور افهامهم عن درک رموزهم فانهم كانوا يتكلمون بالاشارات كالصوفية واما صادرة عن اراذل المتفلسفة الذين يدعون الاستغناء عن الانبياء وليسوا من الحكمة فی شئ واما لان شرائع انبيائهم كانت ساكتة عن تلك المسائل فتكلموا فيها بالرای فغلط اجتهادهم من غير ان يكفروا بالغلط لسكوت الشرع عنها فی عهدهم كما ان القول بحل الخمر لم يكن كفرا قبل تحريمه (194)

اور یہ جاننا واجب ہے کہ قدماء فلاسفہ حکمت کی بنیاد رکھنے والے انبیاءِ کرام کے شاگرد اور مؤمنین میں سے خاص ہستیاں تھے، جیسا کہ ان کی تاریخوں کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے۔
رہی بات ان امور کی جو ان کی کتابوں میں شرع شریف کے خلاف موجود ہے تو

- یا تو ناقلین کی غلطی ہے۔
- یا ناقلین کی کوتاہ فہمی کے سبب ہے کہ ان فلاسفہ کے اشارات کو سمجھ نہ پائے۔ کیونکہ فلاسفہ صوفیاء کی طرح اشارات سے گفتگو کیا کرتے تھے۔

---

(194):(النبراس ص22)

○ یا ناحق اپنے آپ کو فلسفی ظاہر کرنے والے گھٹیا لوگوں سے صادر ہے، جو انبیاءِ کرام سے استغناء کا دعوی کیا کرتے، حالانکہ وہ حکمت میں سے کسی درجہ پہ نہیں۔

○ یا اس لیے کہ ان کے انبیاء کی شریعتیں ان مسائل کی بابت خاموش تھیں، تو ان لوگوں نے اپنی رائے سے اس میں گفتگو کی اور ان کا اجتہاد غلط ہو گیا، بغیر اس کے کہ غلطی کے سبب ان کو کافر کہا جائے۔ کیونکہ ان کے دور میں ان کی شریعتیں ان مسائل سے متعلق خاموش تھیں، جیسا کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے شراب کی حلت کا قول کفر نہ بنے گا۔

واضح رہے کہ:

علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ تعالی نے ان احتمالات کا ذکر ان فلاسفہ سے منقول تمامی امور میں نہیں کیا۔ کیونکہ جو امور اصول وضوابط ومسلمات کے موافق منقول ہیں، اگر ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ایسے احتمالات کو سامنے رکھا جائے تو علماء کی عبارات سے استدلال متعذر یا متعسر ہو کر رہ جائے۔ البتہ وہ امور جن کی وجہ سے قائلین پر کوئی سخت حکم آتا ہو، یا وہ اصول وضوابطِ مسلمہ کے خلاف ہوں تو ان کی یقینی نسبت کے لیے تثبت وتبین ضروری ہے۔ اور جب مذکورہ بالا احتمالات موجود ہیں تو نسبت یقینی غیر متحقق، پس اس یقینی نسبت کی بنیاد پہ لگنے والا حکم بھی نادرست۔

✓ فقہِ اکبر کی ایک عبارت سے متعلق اعلیحضرت کی رائے ملاحظہ ہو

وما فی الفقه الاکبر من ان والدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ماتا علی

الکفرفمدسوس علی الامام(195)

وہ جو فقہِ اکبر میں ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کا وصال بغیر ایمان کے ہوا، تو امامِ اعظم ابو حنیفہ پر دسیسہ ہے۔

✓ ابھی چند دن قبل مجھ سے لائیو پروگرام میں انبیائے کرام سے خطا اجتہادی کے صدور کی بابت سوال کیا گیا تو میں نے عرض کی:

گو اس مسئلہ میں علماء کی مختلف آراء ہیں، لیکن ہمارے اکابر کا مختار ہے کہ انبیائے کرام بوقتِ حاجت اگرچہ اجتہاد فرماتے ہیں، لیکن ان سے خطا واقع نہیں ہوتی۔۔!!!

اپنی بات کی تائید کے لیے میں نے علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالی کی کتاب المعتقد المنتقد کا حوالہ پیش کیا، جس میں فرمایا:

ان القول بجواز الخطاء علیہم فی اجتہادہم قول بعید مھجور فلا یلتفت الیہ(196)

انبیائے کرام کی خطا اجتہادی کے جواز کا قول صحت سے دور، متروک ہے۔ اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔

میں نے مزید کہا:

چونکہ اس پر امامِ اہلسنت رحمہ اللہ تعالی کا حاشیہ بھی ہے اور اس مقام پہ امامِ اہلسنت رحمہ اللہ تعالی نے کسی طرح کی کوئی گفتگو نہیں فرمائی، تو یوں علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالی

---

(195):(فتاوی رضویہ 28/444)

(196):(المعتقد المنتقد ص112)

کا یہ موقف نصا ہوا اور امامِ اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ کا تقریر ا۔۔۔

میری جانب سے یہ حوالہ پیش کیے جانے کے بعد جانبِ مقابل کی طرف سے مکتبۃ الحقیقۃ (استنبول۔ ترکی) سے 2011 میں شائع ہونے والی المعتقد پیش کی گئی، اس میں عبارت مذکورہ بالا کے اندر دانستہ یا نادانستہ کسی شخص نے لفظِ استمرار کا اضافہ کر کے عبارت یوں بنا دی:

ان القول بجواز استمرار الخطاء علیہم فی اجتہادھم قول بعید مھجور فلا یلتفت الیه

اب فریقِ مخالف کی جانب سے دعوی کیا جانے لگا کہ علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالی نے استمرارِ خطا کے قول کو بعید و مہجور کہا ہے، نفسِ خطا اجتہادی کے قول کو نہیں۔۔۔

حالانکہ:

1. اگر لفظِ "استمرار" واقعی اس عبارت میں ہوتا تو اس کی نسبت خطا کی جانب نہ کی جاتی۔
2. نیز اس مقام پہ گفتگو جوازِ خطا پہ ہو رہی ہے، استمرارِ خطا کا کہیں نام و نشان ہی نہیں۔۔۔
3. یوں ہی جو لوگ اس مسئلہ میں علماء کے اقوال کی تفاصیل پر مطلع ہیں وہ اس مقام پہ لفظِ استمرار کا دعوی نہیں کر سکتے۔
4. حق یہ ہے کہ یہی کتاب مکتبۃ الحقیقۃ سے 1983 میں بھی شائع کی گئی تھی۔ اس کے اندر اصل عبارت ص 119 پہ موجود ہے:

   ان القول بجواز الخطاء علیہم فی اجتہادھم قول بعید مھجور فلا یلتفت الیه

   پھر کسی شخص کی طرف سے حاشیہ میں لفظِ "استمرار" کا اضافہ کیا گیا۔ حالانکہ یہ اضافہ

درست نہیں تھا، لیکن جب 2011 میں یہی کتاب مکتبۃ الحقیقۃ کی طرف سے شائع ہوئی تو عدمِ توجہی میں لفظِ "استمرار" حاشیہ سے اٹھا کر متن میں ڈال دیا گیا، جس سے فریقِ مخالف کو لگا کہ شاید یہاں در حقیقت لفظِ "استمرار" موجود ہے۔

5. رضا اکیڈمی ممبئی کا نسخہ، صفحہ 112
6. برکاتی پبلشر کراچی کا نسخہ، صفحہ 112
7. مکتبۃ الحقیقۃ کا 1403 / 1983 کا نسخہ، صفحہ 119
8. مکتبہ حامدیہ لاہور کا نسخہ، صفحہ 120
9. المقطم للنشر والتوزیع قاہرہ مصر کا نسخہ، صفحہ 145

ان سبھی کے اندر لفظِ استمرار کا نام ونشان تک نہیں۔

10. اور خود: المعتقد المنتقد (متن بلا حاشیہ) کے صفحہ 135 پہ یہ عبارت ہے لیکن اس میں لفظِ استمرار کا نام ونشان نہیں۔
11. اور جو نسخہ حضرت قبلہ تاج الشریعۃ رحمہ اللہ تعالی کے سامنے تھا اس میں بھی لفظِ "استمرار" کا نام ونشان نہیں تھا۔ حضور قبلہ تاج الشریعہ رحمہ اللہ تعالی کی جانب سے اس جملہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اس کے سوا یہ بات بھی ہے کہ نبیوں سے ان کے اجتہاد میں خطا کے جائز ہونے کا قول صحت سے دور مہجور ہے۔ تو اسکی طرف التفات نہیں۔(197)

- ✓ اسی طرح کا معاملہ "تجلی الیقین" میں مذکور حدیث "لما اقترف آدم الخطیئة" کے ترجمہ سے متعلق ہوا۔ مترجمین نے اس کا ترجمہ کیا، اور کسی طرح کی علامت قائم

(197): (المعتقد المنتقد مترجم ص175)

نہ کی جس سے اندازہ ہو سکے کہ یہ ترجمہ امامِ اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے ہے یا بعد والوں کی طرف سے۔ تو پڑھنے والوں کو وہم ہونے لگ گیاکہ شاید یہ ترجمہ اعلیحضرت رحمہ اللہ کی طرف سے کیا گیا۔۔۔ بلکہ اس کو لے کر جانبِ مخالف نے اپنا دفاع بھی کیا۔ حالانکہ اگر اعلیحضرت رحمہ اللہ کی طرف سے الفاظِ حدیث کا ترجمہ ہوتا تو اس میں اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی الفاظِ حدیث کے پابند تھے، یہ ہرگز اس باب سے نہ ہٹتا جس باب سے خطیبِ مذکور کی گفتگو تعلق رکھتی ہے۔

بہر حال فتاوی رضویہ کے جدید ایڈیشن میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا

یعنی آدم علیہ الصلوۃ والسلام نے خطا کا ارتکاب کیا۔(198)

دار القلم سے شائع ہونے والے تجلی الیقین کے نسخہ میں الفاظ کچھ اس طرح ہیں

یعنی جب آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لغزش واقع ہوئی۔(199)

♥ تراجم کا اختلاف خود مشعر کہ یہ ترجمہ مؤلف رحمہ اللہ تعالی کی اپنی طرف سے نہیں۔ جب آپ پرانے نسخے دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ امامِ اہلسنت رحمہ اللہ تعالی نے فرطِ ادب میں ان کلمات کو جوں کا توں چھوڑ دیا۔ حدیث تو مکمل ذکر فرمائی لیکن جملہ "لما اقترف آدم الخطیئۃ" کو بغیر ترجمہ کے چھوڑ کر اگلے جملہ سے ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا

یعنی آدم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے رب سے عرض کی: اے رب میرے، صدقہ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا میری مغفرت فرما۔

♥ مرکزی مجلسِ رضا لاہور سے 1415ھ / 1994ء میں شائع ہونے والی تجلی الیقین،

(198): (فتاوی رضویہ 30/58)

(199): (تجلی الیقین دار القلم ص119)

♥ اور خود مطبعِ اہلسنت وجماعت بریلی سے چھپنے والے نسخہ میں مذکورہ جملہ کا ترجمہ مذکور نہیں۔

✓ علامہ ابنِ عابدین فرماتے ہیں:

وقد يتفق نقل قول في نحو عشرين كتابا من كتب المتاخرين ويكون القول خطأ أخطا به أول واضع له فيأتي من بعده وينقله عنه وهكذا ينقل بعضهم عن بعض (200)

کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی قول متاخرین کی کتب میں سے بیس کتابوں میں منقول ہوتا ہے، حالانکہ وہ قول خطا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں پہلے ناقل نے خطا کی ہوتی ہے، پھر بعد والا آتا ہے اور اسی سے نقل کر لیتا ہے اور یونہی بعض بعض سے نقل کرتے رہتے ہیں۔

بعد ازاں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی نے اس قسم کے مسائل کی کئی مثالیں دیں جو نقل در نقل کی وجہ سے اپنی حقیقی صورت کھو چکے ہیں۔

فلہذا ضروری ہے کہ جب کسی امام، کسی عالم سے خلافِ اصول وضوابط نقل سامنے آئے تو اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی جائے۔ البتہ اگر اصول کے موافق ہو تو اب اس بات کو ماننے میں حرج نہیں۔

- چوتھی چیز جسے ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ:

اہلِ سنت متفق ہیں کہ انبیاءِ کرام ورسلِ عظام کے علاوہ انسانوں میں کوئی بھی معصوم نہیں۔ لہذا عالم کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو وہ درجہ عصمت تک نہیں پہنچ سکتا۔

جنابِ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے

---

(200): (شرح عقود رسم المفتی ص13)

روایت کیا:

ليس أحد إلا يؤخذ من قوله ويدع غير النبي صلى الله عليه وسلم(201)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا کے علاوہ ہر کسی کی بات ماخوذ و مردود ہو سکتی ہے۔

بنابریں علماء نے اقوالِ شاذۃ سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ اور اقوالِ شاذۃ کے بھی ضوابط مقرر کیے، جیسے:

1. وہ قول جو دلیلِ شرعی مثل نص و اجماع کے مخالف ہو۔
2. وہ قول جو حیرت و اضطراب و تردد کا موجب ہو۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

والإثم ما حاك في صدرك، وكرهت أن يطلع عليه الناس(202)

گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے پسند نہ ہو کہ لوگ اس پہ مطلع ہوں۔

مسندِ احمد کی روایت میں یہ اضافہ بھی موجود ہے:

وإن أفتاك عنه الناس(203)

یعنی بھلے تجھے اس کے بارے میں لوگ فتوی دیں۔

3. وہ قول جو اہلِ اسلام کے بیچ معروف نہ ہو۔

حضرت معاذ بن جبل فرمایا کرتے تھے:

اتقوا زلة الحكيم فإن الشيطان يلقي على في الحكيم الضلالة،

(201):(المعجم الکبیر للطبرانی 11941، مجمع الزوائد 840 وقال: رجالہ موثقون)

(202):(صحیح مسلم 2553)

(203):(مسندِ احمد 17999)

ويلقي للمنافق كلمة الحق

دانا کی لغزش سے بچو۔ کیونکہ شیطان دانا کے منہ پہ گمراہی ڈال دیتا ہے اور منافق کو کلمہ حق کی تلقین بھی کر دیتا ہے۔

حاضرین نے عرض کی:

وما يدريك يرحمك الله أن المنافق يلقى كلمة الحق وأن الشيطان يلقي على في الحكيم كلمة الضلالة؟

اللہ جل وعلا آپ پہ رحم فرمائے، آپ کو کیا خبر کہ منافق کو کلمہ حق کی تلقین کر دی جاتی ہے اور شیطان حکیم و دانا کی زبان پہ کلمہ گمراہی ڈال دیتا ہے؟

جنابِ معاذ نے فرمایا:

اجتنبوا من كلام الحكيم كل متشابه، الذي إذا سمعته قلت: ما هذا؟(204)

دانا کی گفتگو میں سے ہر اشتباہ والی بات سے بچو، جسے سن کر تمہیں کہنا پڑے:

یہ کیا ہے؟؟؟

مقامِ استشہاد آخری جملہ ہے۔ کیونکہ اس قسم کی بات اسی وقت کہنا پڑے گی جب کسی عالم و دانا کی زبان سے ایسی گفتگو صادر ہو جو اہلِ اسلام کے ہاں متعارف امور کے برخلاف ہو۔ لہذا اس قسم کے اقوال بھی شاذ شمار ہوں گے۔

---

(204):(المستدرک علی الصحیحین 8422 وقال: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاہ، وقال الذھبی: علی شرط البخاري ومسلم)

لیکن یہاں اس امر کالحاظ انتہائی ضروری ہے کہ:

اگر کسی صحیح العقیدہ عالم سے کوئی ایک یاچند باتیں شواذ کے قبیل سے صادر ہو جائیں تو شواذ کو تو قبول نہ کیا جائے لیکن صحیح العقیدہ سنی عالمِ دین کو یکسر چھوڑ نہ دیا جائے سیدنا معاذ بن جبل نے جہاں اہلِ علم وحکمت کی لغزشوں سے اجتناب کا حکم فرمایا وہیں فرمایا

ولا ينبئك ذلك عنه فإنه لعله أن يراجع ويلقي الحق فاسمعه فإن على الحق نورا(205)

یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی عالم سے ایک بات شواذ کے قبیل سے سن لی تو تم اس سے دور ہو جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مراجعت کرے اور القائے حق کرے، لہذا تو اسے سن کیونکہ حق پر نور ہوتا ہے(لہذا تو اس نور سے حق کو پہچان لے گا)

حاصلِ گفتگو:

خطیبِ مذکور کے پیش کردہ حوالہ جات میں سے کوئی ایک بھی محلِ نزاع کے موافق نہیں۔ اور اگر کسی عالم کی ایسی گفتگو مل بھی جائے تو یہ شواذ وزلات العلماء کے باب سے ہوگی، جن کی پیروی نہیں کی جاتی بلکہ ان امور کی پیروی کی جاتی ہے جو اصولِ ثابتہ کے موافق ہوں۔

البتہ خطیبِ مذکور کی یہ تتبع تلاش اہلِ علم کی نظر میں انتہائی مذموم ہے

حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا:

ويل للأتباع من عثرات العالم(206)

عالم کی لغزشوں کے پیروکاروں کے لیے بربادی ہے۔

---

(205):(المستدرک علی الصحیحین 8422وقال: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاہ، وقال الذھبی:علی شرط البخاري ومسلم)

(206):(المدخل الی السنن الکبری للبیھقی835،جامع بیان العلم وفضلہ1877)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

ومن تتبع رخص المذاهب، وزلات المجتهدين، فقد رق دينه(207)

اور جو شخص مذاہب کی رخصتیں اور مجتہدین کے لغزشیں تلاش کرے، اس نے اپنے دین کو کمزور کر لیا۔

پھر جنابِ اوزاعی وغیرہ کے حوالے سے ذکر کیا:

من أخذ بقول المكيين في المتعة، والكوفيين في النبيذ، والمدنيين في الغناء، والشاميين في عصمة الخلفاء، فقد جمع الشر(208)

جو شخص متعہ کے معاملے میں مکیوں، نبیذ کے بارے میں کوفیوں، موسیقی کے بارے میں مدنیوں، خلفاء کی عصمت کے بارے میں شامیوں کی رائے کو پکڑے، اس نے برائی کو جمع کر لیا۔

علماء فرماتے ہیں:

من تتبع رخص العلماء وشواذهم تزندق

جو شخص علماء سے صادر ہونے والی چھوٹیں اور ان سے صادر ہونے والی لغزشوں کا متلاشی ہو وہ زندیق ہے۔

سلک الدرر میں ہے:

فاحذر من الزلات فيها انها ... حكم تفيد إلى الجهول تزندقا (209)

---

(207):(سیر اعلام النبلاء 7/176)

(208):(سیر اعلام النبلاء 7/176)

(209):(سلک الدرر 2/54)

متفقہ اعلامیہ:

خطیبِ مذکور کی ان گمراہ کن باتوں کی وجہ سے جب ہر طرف سے براءتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اب موصوف نے اپنے گنتی کے شاگردوں اور ڈھکے چھپے ہمنواؤں کو بٹھا کر ایک متفقہ اعلامیہ جاری کیا۔اس متفقہ اعلامیہ کا چوتھا نکتہ کچھ اس طرح ہے

"ہم اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام معصوم ہیں جبکہ ان سے معصومیت کے باوجود خطائے اجتہادی کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع بھی مانا گیا ہے کیونکہ خطائے اجتہادی نہ معصیت ہے نہ عیب ہے۔"

متفقہ اعلامیہ کا پانچواں نکتہ کچھ یوں ہے:

"ہمارا مخالف فرقہ اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ تعالی عنہم کو معصوم اور اہلِ بیت کے عظیم فرد سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو معصومہ مانتا ہے اور ہمارے نزدیک جسے ہم مقامِ نبوت کہتے ہیں اس مخالف فرقہ کے نزدیک وہ مقام اہلِ بیت رضی اللہ تعالی عنہم کو بھی حاصل ہے۔ یعنی وہ معصوم یا معصومہ کو نبی سے بلند رتبہ مانتے ہیں کیونکہ وہ فرقہ معصوم یا معصومہ سے خطا اجتہادی کا وقوع تو کیا امکان بھی نہیں مانتا جبکہ ہم اہلسنت کے نزدیک خطائے اجتہادی جو کہ معصیت نہیں اس کا امکان تو کیا وقوع بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے مانا گیا ہے۔"

❖ متفقہ اعلامیہ دھوکا ہے۔۔!!!

سب سے پہلی بات ذہن نشین رہے کہ متفقہ اعلامیہ درحقیقت ایک دھوکا اور سنی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔کیونکہ اصل اعتراض مذکور خطیب کی اس گفتگو سے پیدا ہوا جس میں اس نے:

جگر گوشۂ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم کی جانب، مخصوص موقع سے

متعلق، بطورِ مقابلہ، جانبِ مقابل کا دفاع کرتے ہوئے، مجمع عام میں، بر سرِ منبر، انتہائی بھونڈے انداز میں، بلا قید، خلافِ واقع، وقوعِ خطا و غلطی کی نسبت کا، تکرار کیا۔ اور اس گفتگو کو اہلِ عرف نے بے ادبی پہ محمول کیا۔

پھر متفقہ اعلامیہ جاری کرنے کا کیا مطلب ؟؟؟

یہ ساری باتیں اور سارا عمل اصل مسئلہ سے توجہ ہٹانے، عوام کو گمراہ کرنے اورعوام میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کی غرض سے ہیں۔

❖ انبیائے کرام کی تکذیب و گستاخی:

خطیبِ مذکور اور ان کے مشیرین شاید علمی انحطاط کا شکار ہونے کی وجہ سے جابجا قلابازیاں کھا رہے ہیں۔ خطیبِ موصوف جب اکیلے بیٹھ کر خطاب کرتے ہیں تو چونکہ اکیلے ہوتے ہیں لہذا زبان پھسل سکتی ہے۔ لیکن "متفقہ اعلامیہ" تو لازمی طور پر باہمی مشاورت کے بعد منظرِ عام پہ آیا، اس اعلامیہ میں خطیبِ مذکور اور ان کے مشیرین انبیائے کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام کی انتہائی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

تفصیل جاننے سے پہلے متفقہ اعلامیہ کا چوتھا نکتہ ایک بار پھر ملاحظہ ہو

"ہم اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام معصوم ہیں جبکہ ان سے معصومیت کے باوجود خطائے اجتہادی کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع بھی مانا گیا ہے"

اس جملہ میں انبیاءِ کرام کی جانب ایک ہی اسلوب میں تین چیزوں کی نسبت کی جارہی ہے

(1): عصمت

(2): امکانِ خطا

(3): وقوعِ خطا

پُر ظاہر کہ انبیاءِ کرام کی جانب عصمت کی نسبت"کل واحد"کے لحاظ سے ہے نہ کہ فقط"باعتبار مجموع" ورنہ انبیاءِ کرام کا خاصہ نہ رہے گا، باعتبارِ مجموع تو امت بھی معصوم ہے، قرافی کہتے ہین

وأما عصمة الملائكة والأنبياء- عليهم السلام- ومجموع الأمة: فالاستحالة في حقهم، والعصمة من باب واحد، وهو أن معناها إخبار الله - تعالى- النفساني واللساني عن جعلهم كذلك، واجتمع مع ذلك علم الله- تعالى- بذلك وإرادته له، فتكون العصمة. واستحالة المعصية عليهم نشأت عن أمور أربعة: العلم، والخبر النفساني، واللساني، والإرادة(210)

بہر حال ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور مجموعی امت کی عصمت، تو ان کے حق میں عصمت واستحالہ ایک ہی باب سے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اس عصمت کے معنی ہین اللہ جل وعز کی انہیں ایسا بنانے کے بارے میں خبر نفسانی ولسانی۔ اور اس کے ساتھ رب جل وعز کا اس امر سے متعلق علم اور اس امر کا ارادہ بھی جمع ہو گیا، پس عصمت اور ان پر معصیت کا استحالہ چار امور سے ناشی ہے: علم، خبر نفسانی، خبر لسانی اور ارادہ۔

فلہذا "امکانِ خطا" کی نسبت بھی انبیاءِ کرام کی جانب "کل واحد" کے لحاظ سے ہو گی اور یونہی "وقوعِ خطا" کی بھی۔

بنابریں: متفقہ اعلامیہ کی اس عبارت کا مطلب یہ بنے گا کہ:

"جیسے ہر ہر نبی معصوم ہے، یونہی ہر ہر نبی سے اجتہادی خطا ممکن بلکہ ہر ہر نبی سے اجتہادی خطا واقع۔۔۔"معاذ اللہ من ذلک۔

---

(210):(نفائس الاصول5/2305)

جب آپ ہر ہر نبی کے نام بلکہ یقینی تعداد سے بھی واقف نہیں تو ہر ہر نبی سے "وقوعِ خطا" کی اطلاع آپ کو کہاں سے ہو گئی؟؟؟

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سیدنا شیث سے کونسی اجتہادی خطا واقع ہوئی؟ حضرت سیدنا ادریس، سیدنا ھود، سیدنا صالح، سیدنا ذو الکفل، سیدنا الیسع سے کون کونسی اجتہادی خطائیں صادر ہوئیں؟؟؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جد امجد سیدنا اسماعیل، جنابِ اسحاق علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام سے معاذ اللہ کون کونسی اجتہادی خطائیں ہوئیں؟

آپ نے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے"متفقہ اعلامیہ" عنوان تو دے دیا لیکن مضمون ایسا لکھا جو انبیاءِ کرام پہ افتراء اور انبیاء کرام کی تکذیب کو مستلزم، امام نووی پھر ابنِ حجر مکی فرماتے ہیں:

عن القاضی عیاض ان من قال کان النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم اسود اوتوفی قبل ان یلتحی او قال لیس بقرشی کفر لانه وصفه بغیرصفته ففیه تکذیب له(211)

امام قاضی عیاض سے منقول ہے کہ جس نے کہا نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا رنگ مبارک سیاہ تھا۔ یا آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم داڑھی مبارک آنے سے پہلے وصال فرما گئے۔ یا کہے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قبیلہ قریش سے نہیں تھے۔ وہ کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصف کے بر خلاف بیان کیا جس میں آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔

---

(211):(روضۃ الطالبین10/70، الاعلام بقواطع الاسلام ص25)

ابنِ حجر فرماتے ہیں:

وجزمه يستلزم التكذيب لمن هو بغير تلك الصفة(212)

یقینی طور پر ایسی بات کرنے سے ان شخصیات کی تکذیب لازم جو اس صفت پر نہیں۔

سیوطی فرماتے ہیں:

لا أعلم شيئا من الكبائر قال أحد من أهل السنة بتكفير مرتكبه إلا الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن الشيخ أبا محمد الجويني من أصحاب الشافعي وهو والد إمام الحرمين قال إن من تعمد الكذب عليه عليه الصلاة والسلام يكفر كفرا يخرجه عن الملة وتبعه على ذلك طائفة منهم الإمام ناصر الدين ابن المنير من أئمة المالكية

میں کبیرہ گناہوں میں سے کسی کے بارے میں نہیں جانتا کہ اہلِ سنت میں سے کسی نے کسی گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیا ہو، سوائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ والا پہ جھوٹ باندھنے کے۔ کیونکہ اصحابِ شافعی میں سے شیخ ابو محمد الجوینی جو امام الحرمین کے والد ہیں، آپ نے کہا: جو شخص جان کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ عالیہ پہ جھوٹ باندھے، وہ کافر ہے، ملت سے خارج ہے۔ اور امام ابو محمد الجوینی کی اس مسئلہ میں ایک گروہِ علماء نے اتباع کی ہے جن میں سے ائمہ مالکیہ میں سے امام ناصر الدین ابن منیر ہیں۔

---

(212):(الاعلام بقواطع الاسلام ص120)

علامہ علی قاری نے اس کی تائید میں فرمایا

قلت ویؤیدھما قوله علیه الصلاة والسلام لیس الکذب علي کالکذب علی غیري وکذا أمره بقتل من کذب علیه وإحراقه بعد موته وذلك لأن الافتراء علیه افتراء علی الله فإنه {وما ینطق عن الهوی إن هو إلا وحي یوحی} ویقویه قوله فیما تقدم ما أقول إلا ما نزل من السماء

فإذا کان کذلك {فمن أظلم ممن افتری علی الله کذبا} و {إنما یفتري الکذب الذین لا یؤمنون بآیات الله} أي الکذب علی الله ورسوله فإن الکذب علی غیرھما لا یخرجه عن الإیمان بإجماع أهل السنة والجماعة(213)

میں کہتا ہوں: ان دونوں ائمہ کی تائید آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس فرمانِ گرامی سے ہوتی ہے کہ: مجھ پہ جھوٹ کسی دوسرے پہ جھوٹ جیسا نہیں۔ یونہی آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اس شخص کو قتل کر دینے اور مرنے کے بعد جلا دینے کا حکم جس نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پہ جھوٹ باندھا تھا۔

اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعای علیہ وسلم پہ افتراء اللہ جل وعز پہ افتراء ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، آپ کی گفتگو وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔ اور اس کی تقویت آپ ﷺ کے فرمانِ گرامی سے ہوتی ہے جو پہلے گزر چکا کہ: میں صرف وہی کہتا ہوں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔

---

(213):(الاسرار المرفوعۃ ص36،37،38)

جب ایسا ہے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ جل وعز پہ جھوٹ باندھے، اور جھوٹ تو وہی باندھتے ہیں جو اللہ جل وعز کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔(اس آیت میں جھوٹ باندھنے سے مراد) اللہ جل وعز اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پہ جھوٹ باندھنا ہے۔ ورنہ اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ ذاتِ باری تعالی و رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علاوہ کسی پہ جھوٹ ایمان سے نہیں نکالتا۔

هذا ولكن لا نكفره ولا احدا من متبعيه متى امكن حمل كلامه على محمل حسن او وجدت رواية أنه لا يكفر ولو رواية ضعيفة ولو كانت الرواية لغير أهل مذهبنا۔۔۔

البته :خطیبِ مذکور اور اس کے اتحادیوں پر توبہ بہر حال لازم۔
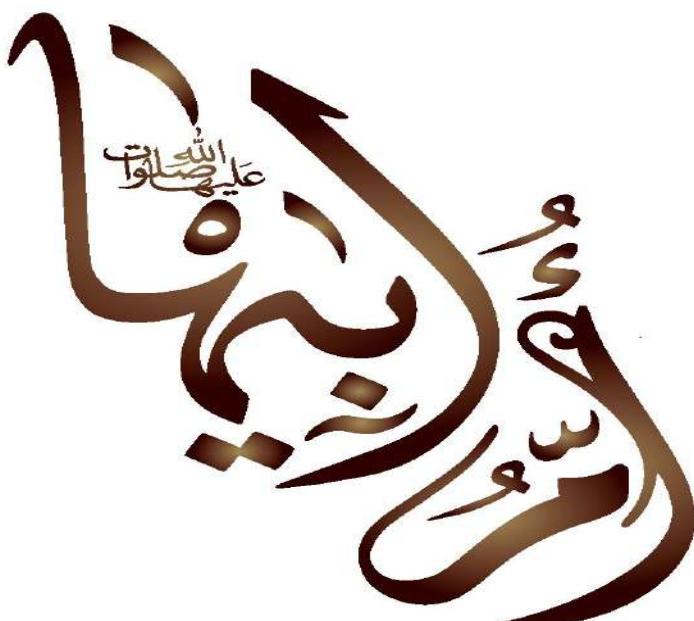
مسئلہ خطا اجتہادی میں انبیاء کی مثالیں۔۔۔

"ادب" اہلسنت کا طرہ امتیاز ہے۔ امامِ اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالی کی علمی خدمات اپنی جگہ، لیکن تعظیم وادب کا درس اس امتیازی حیثیت کا حامل ہے کہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ انبیائے کرام کے لباس کو میلا کہنے والے کو خارج از اسلام سمجھنے والے لوگ انبیاءِ کرام کی جانب مطلقا "خطا" کی نسبت کیسے کر سکتے ہیں؟یوں بھی خطا کے ساتھ کوئی بھی قید لگا دی جائے پھر بھی اس کی ذات میں پایا جانے والا "قصور" کسی نا کسی قدر باقی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر از راہِ تعلیم اس قسم کے مسائل بیان کرنے پہ آتے، جب بھی تمنا کرتے کہ کاش ہمیں یہ بیان نہ کرنا پڑتے۔۔۔

ولولا جهل بعض الناس والطعن بالباطل في هذا الباب لكان الأولى منا الكف عن تقسيمه

لیکن اس کے برعکس خطیبِ مذکور اور اس کے حامی موصوف کی غلطی کو درست ثابت کرنے کے لیے کبھی انبیاءِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کے لیے لغزشوں اوخطاؤں کا ذکر کرتے ہیں، اور کبھی کہتے ہیں"جب نبیوں سے اجتہادی خطا ہو سکتی ہے تو سیدہ فاطمہ سے کیوں نہیں ہو سکتی"

ہمارے علماء نے اس اسلوب کو بے ادبی قرار دیا، بلکہ بعض ائمہ نے بعض اسالیب پہ قائل کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ انبیاء کرام ورسلِ عظام علی نبینا علیہم الصلوۃ والسلام کے لیے قرآنِ عظیم میں جو کچھ ذکر کیا گیا، اسے تلاوتِ قرآن و قراءتِ حدیث کے علاوہ بیان کرنے سے منع فرمایا۔ اور اگر بیان کرنے والے کے انداز سے بے ادبی جھلکے تو اس پہ حکمِ کفر بھی صادر فرمایا۔

شفا میں ہے:

من قال لشاهد شهد عليه بشئ ثم قال له تتهمني؟ فقال له الآخر: الأنبياء يتهمون فكيف أنت؟ فكان شيخنا أبو إسحاق بن جعفر يرى قتله لبشاعة ظاهر اللفظ(214)

جو شخص کسی ایسے گواہ سے کہے جس نے اس کے خلاف کسی چیز کی گواہی دی، پھر گواہ اس سے کہے: کیا تمہیں مجھ پہ شک ہے؟

دوسرا اس سے کہے: شک تو انبیاء کے بارے میں بھی ہوا، پھر تم کون ہو؟

ہمارے شیخ ابو اسحاق بن جعفر کی رائے تھی کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ لفظ کا ظاہر برا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی فرمارہے ہیں کہ "لفظ کا ظاہر" برا ہے۔ یعنی کرنے کو تو کوئی نا کوئی تاویل ہو سکتی ہے، لیکن پھر بھی بظاہر لفظ برا ہے۔ تو ایسے لفظ کا انبیاء کرام کے لیے استعمال کرنے پر شیخ ابو اسحاق کی رائے تھی کہ ایسے شخص کی سزا قتل ہونی چاہیے۔

امام ابو بکر ابن العربی پھر امام قرطبی پھر ابن الحاج فرماتے ہیں:

لا يجوز لأحد منا اليوم أن يخبر بذلك عن آدم إلا إذا ذكرناه في أثناء قوله تعالى عنه، أو قول نبيه، فأما أن يبتدئ ذلك من قبل نفسه فليس بجائز لنا في آبائنا الأدنين إلينا، المماثلين لنا، فكيف في أبينا الأقدم الأعظم الأكرم النبي المقدم، الذي عذره الله سبحانه وتعالى وتاب عليه وغفر له(215)

---

(214):(الشفا 2/237)

(215):(احکام القرآن لابن العربی 3/359، تفسیر القرطبی 11/255، 256، المدخل لابن الحاج 2/15)

آج ہم میں سے کسی کے لئے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق یہ کہنا جائز نہیں مگر صرف اس صورت میں کہ اسے باری تعالیٰ کے کلام یا اس کے نبی کے کلام کے اثناء میں ذکر کریں۔اسے ابتداءً اپنی طرف سے بتانا تو ہمارے لئے اپنے ان قریبی آباء کے حق میں بھی جائز نہیں جو ہماری ہی طرح ہیں پھر ان کے حق میں کیوں کر روا ہو گا جو ہمارے سب سے پہلے باپ ہیں جو بڑی عظمت وبزرگی والے اور سب سے پہلے نبی بھی ہیں، جن کا عذر رب نے بیان فرمایا، ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کی بخشش فرمادی۔

امام ابن العربی کا جملہ "فليس بجائز لنا في آبائنا الأدنين إلينا، المماثلين لنا"، "یعنی ہمارے لیے تو یہ بھی جائز نہیں کہ ہم اپنے قریبی باپ داداؤں کے لیے ایسی بات کریں جو ہمی جیسے ہیں" انتہائی قابلِ غور ہے، ہمارے اکابر اپنے باپ دادا کے لیے بے ادبی والی باتوں کو ناجائز بتاتے ہیں اور آج کے "اہلسنت کے پاسبان" انبیاء کرام کی ذواتِ قدسیہ کو تختہء مشق بنائے بیٹھے ہیں۔ "انبیاءِ کرام کی اجتہادی خطا" کے مسئلہ کو لے کر سیمینار کر رہے ہیں، ان کے حامی سوشل میڈیا پہ انبیاءِ کرام کی خطائیں گنوا رہے ہیں۔۔۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین

ثعالبی کے کلمات کچھ اس طرح ہیں:

ولا يجوز لأحد مِنّا أن يطلق ذلك على آدمَ، أو يذكره إلاَّ في تلاَوة القرآن أو قول النبيّ صلى الله عليه وسلّم(216)

اور ہم میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پہ اس چیز کا اطلاق کرے یا اس کا ذکر کرے، سوائے قرآنِ عظیم کی تلاوت یا نبی ﷺ کے فرمانِ گرامی کے ضمن میں۔

امام ابن العربی نے مزید فرمایا:

ولقد كان من حسن الأدب مع الأنبياء - صلوات الله عليهم - ألا تبث

---

(216):(الجواھر الحسان 4/71)

عثراتهم لو عثروا، ولا تبث فلتاتهم لو استفلتوا؛ فإن إسبال الستر على الجار والولد والأخ والفضيلة أكرم فضيلة، فكيف سترت على جارك حتى لم تقص نبأه في أخبارك؛ وعكفت على أنبيائك وأحبارك تقول عنهم ما لم يفعلوا، وتنسب إليهم ما لم يتلبسوا به، ولا تلوثوا به، نعوذ بالله من هذا التعدي والجهل بحقيقة الدين في الأنبياء والمسلمين والعلماء والصالحين. (217)

انبیاءِ کرام کے ساتھ حسنِ ادب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر ان سے کوئی لغزش ہوئی بھی تھی تو تم اسے نہ پھیلاتے، اگر کوئی زَلّۃ ان سے صادر ہوئی بھی تو تم اسے عام نہ کرتے۔ کیونکہ پڑوسی ،بیٹے، بھائی کی پردہ پوشی بڑی فضیلت ہے۔ تو پھر یہ کونسا طریقہ ہے کہ تُو اپنے پڑوسی کا پردہ رکھتا ہے اور اپنی گفتگو میں اس کے معاملات کے قصے نہیں کرتا، لیکن اپنے انبیاء واحبار پر جھک کر بیٹھ جاتا ہے اور ان کے بارے میں وہ کچھ کہتا ہے جو انہوں نے کیا ہی نہیں اور ان کی جانب ایسی چیزوں کی نسبت کرتا ہے جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان کی جناب اس سے آلودہ ہوئی۔ ہم اللہ جل وعلا کی پناہ چاہتے ہیں اس زیادتی سے اور انبیاء و مسلمین وعلماء وصالحین سے متعلق دین کی حقیقت سے ناواقفی سے۔

چند سطر بعد فرمایا:

وقد وصيناكم إذا كنتم لا بد آخذين في شأنهم ذاكرين قصصهم ألا تعدوا ما أخبر الله عنهم، وتقولوا ذلك بصفة التعظيم لهم والتنزيه عن غير ما نسب الله إليهم، ولا يقولن أحدكم: قد عصى الأنبياء فكيف نحن، فإن ذكر ذلك كفر. (218)

---

(217):(احکام القرآن4/52)

(218):(احکام القرآن4/52،53)

اور ہم نے تمہیں تاکید کی کہ جب تمہیں ان کے معاملات میں پڑنا ہی پڑ جائے اور ان کے قصوں کو بیان کرنا ضروری ہو جائے تو تم لوگ اس سے آگے نہ بڑھو جو اللہ جل وعلا نے ان کے بارے میں بتایا۔ اور یہ امور بھی ان کی تعظیم کے انداز میں بولو اور جس چیز کی اللہ جل وعلا نے ان کی طرف نسبت کی، اس کے علاوہ سے انہیں منزہ رکھو تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: جب انبیاء کرام معصیت کے مرتکب ہوئے تو ہم کون ہیں؟۔۔۔ کیونکہ اس کا ذکر بھی کفر ہے۔

امام ابن الحاج مدخل میں پھر زرقانی شرح مختصر خلیل وشرح مواھب میں، محمد بن أحمد بن محمد علیش فتح العلی المالک میں، محمد بن محمد سالم شنقیطی لوامع الدرر میں، عبد الحمید محمد بن بادیس الصنھاجي آثار میں فرماتے ہیں:

وقد قال علماؤنا رحمة الله عليهم أن من قال عن نبي من الأنبياء في غير التلاوة والحديث أنه عصى أو خالف فقد كفر نعوذ بالله من ذلك (219)

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی بھی نبی کے بارے میں غیر تلاوت وحدیث میں یہ کہے کہ انہوں نے نافرمانی یا خلاف ورزی کی تو وہ کافر ہے، اس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

محمد بن أحمد بن محمد علیش نے فتح العلی المالک میں ذکر فرمایا:

ورأيت في بعض الفتاوى عن البرجيني: من قال إن آدم عصى ربه قتل فإن قال: قال ذلك في القرآن يقال الله تعالى يفعل ما يشاء مع عباده قال البرزلي فتمثيل النحاة للم ولما بقولهم ولما عصى آدم ربه ولم يندم كفر وكفره أخروي لأنه زاد على نص القرآن ولم يندم وهو زيادة في القدح

---

(219): (المدخل لابن الحاج 2/14، شرح الزرقانی کی مختصر خلیل 8/122، شرح زرقانی علی المواھب 7/333، فتح العلی المالک 2/345، لوامع الدرر 13/381، آثار ابن بادیس 3/160)

ولو قال إن كنت عصيته فقد عصى آدم فهذا أشد من قوله إن كنت رعيت فقد رعى آدم لأنه خرج مخرج التنقيص بالتأسي فيقتل (220)

میں نے بعض فتاوی میں شیخ برجینی سے منقول دیکھاجو شخص کہے کہ "حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے رب کی معصیت کی" اسے قتل کر دیاجائے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ: یہ بات تو اللہ جل وعلانے قرآن میں فرمائی ہے۔

توجواباکہاجائے گا: اللہ جل وعلا اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہے کرے۔

برزلی نے فرمایا: نحویوں کا "لم" اور "لما" کی مثال میں کہنا: ولما عصى آدم ربه ولم یندم کفر ہے اور اس کا کفر اخروی ہے۔ کیونکہ اس نے نصِّ قرآن پر "لم یندم" کا اضافہ کر دیاجو اضافی اعتراض ہے۔

اور اگر کہے: اگر میں نے نافرمانی کی تو آدم نے بھی تو نافرمانی کی تھی۔۔۔ یہ "اگر میں نے بکریاں چرائیں تو آدم علیہ السلام نے بھی بکریاں چرائی تھیں" سے زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو ان کا پیروکار بتاکر ان کی شان گھٹانے کے لیے صادر ہوا ہے، لہذا قتل کر دیا جائے گا۔

ابنِ بادیس کہتے ہیں:

ومن عقائد الإيمان مما يجب علينا في حق الأنبياء والمرسلين- عليهم الصلاة والسلام- أن لا نخاطبهم بما خاطبهم الله تعالى به ولا نذكر في كلامنا شيئا مما عوتبوا عليه لا بالتلويح ولا بالتصريح إلا بحكاية لفظ القرآن والحديث، وأما الله تعالى فإنه يخاطبهم بما شاء، لأنهم عباده وصفوته من خلقه، لهم من كمال المعرفة به ما ليس لغيرهم، وله عليهم من الفضل العظيم ما لا مطمع فيه لسواهم، وأما نحن فموقفنا معهم موقف العبيد مع السادة،

---

(220):(فتح العلی المالک2/345)

فيجب علينا معهم اعتقاد الحرمة، واكبار الجانب، ولزوم الأدب، في الأقوال والأفعال، وجميع الأحوال ولا يجوز لنا ونحن خدامهم وأتباعهم أن نذكرهم أو نخاطبهم بما خاطبهم بهم ربهم ومالكهم، فما أبعدنا والله عن ذلك المقام(221)

ایمان کے وہ عقائد جو ہم پہ انبیاء ومرسلین کے حق میں واجب ہیں، انہی سے ہے کہ ہم ان سے ویسے مخاطب نہ ہوں جیسے اللہ جل وعزنے ان سے خطاب فرمایاہے۔ اور ہم اپنی گفتگو میں کوئی ایسی بات ذکر بھی نہ کریں جو ان سے بطورِ عتاب کی گئی، نہ اشارۃ اور نہ صراحۃ سوائے قرآن وحدیث کے لفظ کی حکایت کے طور پر۔ اللہ جل وعز ان سے جیسے چاہے خطاب فرمائے، کیونکہ وہ اس جل وعز کے بندے اور اس کی مخلوق میں چنیدہ ہیں۔ انہیں اپنے پروردگار کی وہ کمالِ معرفت حاصل ہے جو کسی دوسرے کو نہیں اور اس جل وعز کا ان نفوس عالیہ پہ وہ فضلِ عظیم ہے جس کی کوئی تمنا بھی نہیں کر سکتا۔ رہی بات ہماری تو ہمارا ان سے معاملہ غلاموں کا اپنے آقاوں سے معاملے جیسا ہے۔ ان کے معاملے میں ہم پر اعتقادِ حرمت، تعظیم اور تمام اقوال وافعال اور سارے احوال میں لزومِ ادب واجب ہے۔ ہمیں جائز نہیں کہ ہم ان کے خادم وپیروکار ہوتے ہوئے ان کا ذکر یا ان سے ایسے خطاب کریں جیسے ان کے پروردگار اور ان کے مالک نے ان سے خطاب کیاہے۔ اللہ کی قسم ہم اس مقام سے کتنادور ہیں۔

شیخِ محقق فرماتے ہیں:

وایں جا ادبی است کہ لازم است رعایتِ آں وآں ایں است کہ اگر از جانبِ حضرت بہ بعض انبیاء کہ مقربان درگاہ اند عتابی یا خطابی رود یا از جانب ایشاں کہ بندگانِ خاص اویند تواضعی وذلتی وانکساری صادر گردد کہ موھمِنقص بود ما را نباید کہ دراں دخل کنیم وبداں تکلم نمائیم(222)

(221):(آثار ابن بادیس 3/159)

(222):(اشعۃ اللمعات 1/43)

اور اس جگہ ادب جس کی رعایت لازم ہے وہ یہ ہے کہ اگر بعض انبیاءِ کرام جو کہ مقربینِ دربارِ الٰہی ہیں ان کی جانب کسی طرح کا عتاب یا کوئی ایسی بات یا خود انبیاءِ کرام جو کہ اللہ جل وعز کے بندگانِ خاص ہیں خود ان کی جانب سے ایسی تواضع، عجز وانکساری صادر ہو جو کوتاہی کا وہم ڈالتی ہو۔۔۔ ہمیں نہیں چاہیے کہ ہم اس میں دخل دیں اور اس طرح گفتگو کریں۔

امامِ اہلِ سنت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاوٰی رضویہ میں "تنبیہ مہم" کے عنوان سے فرمایا:

ہم نے سلسلہ کلام میں اوپر ذکر کیا کہ غیر تلاوت میں اپنی طرف سے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نافرمانی وگناہ کی نسبت حرام ہے۔ ائمہ دین نے اس کی تصریح فرمائی بلکہ ایک جماعت علمائے کرام نے اسے کفر بتایا، مولیٰ کو شایاں ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جس عبارت سے تعبیر فرمائے فرمائے دوسرا کہے تو اس کی زبان گُدّی کے پیچھے سے کھینچی جائے للہ المثل الاعلی بلا تشبیہ یوں خیال کرو کہ زید نے اپنے بیٹے عمرو کو اس کی کسی لغزش یا بھول پر متنبہ کرنے ادب دینے جزم وعزم واحتیاط اتم سکھانے کیلئےمثلاً بیہودہ نالائق احمق وغیرھا الفاظ سے تعبیر کیا باپ کو اس کا اختیار تھا اب کیا عمرو کا بیٹا بکر یا غلام خالد انہیں الفاظ کو سند بنا کر اپنے باپ اور آقا عمرو کو یہ الفاظ کہہ سکتا ہے، حاشا اگر کہے گا سخت گستاخ ومردود ناسزا و مستحق عذاب وتعزیر وسزا ہو گا جب یہاں یہ حالت ہے تو اللہ عزوجل کی ریس کرکے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں ایسے لفظ کا بکنے والا کیونکر سخت شدید ومدید عذابِ جہنم وغضب الٰہی کا مستحق نہ ہو گا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔(223)

پھر فرمایا:

ایسے امور میں سخت احتیاط فرض ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کا حسن ادب عطا فرمائے۔(224)

---

(223):(فتاوی رضویہ 1/832)

(224):(فتاوی رضویہ 1/832)

بہارِ شریعت میں" مسئلہ ضروریہ" کے عنوان سے فرمایا:

انبیائے کرام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں، ان کا ذکر تلاوتِ قرآن وروایتِ حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے۔ اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال۔ مولی عزوجل ان کا مالک ہے، جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے، وہ اس کے پیارے بندے ہیں، اپنے رب کے حضور جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں۔"دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا۔" اور خود ان کا اطلاق کرے تو مردودِ بارگاہ ہو۔(225)

یہ ہیں ہمارے اکابر، جن کے نزدیک قرآن وحدیث کی تلاوت کے علاوہ آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر ہلکے الفاظ کا اطلاق حرام، سخت حرام اور بعض اوقات کفر ہے، اور امامِ اہلسنت تو فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی زبان گدی کے پیچھے سے کھینچی جائے۔ لیکن آج کے فکرِ رضا کے پاسبانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کو چھپانے کی غرض سے ان باتوں کو زبانِ زدِ عام کر چکے ہیں اور اس پہ کئی کئی گھنٹے لیکچر دے رہے ہیں۔

الغرض:

خطیبِ مذکور نے انبیاءِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کا اس قسم کا ذکر کر کے سخت حرام کام کا ارتکاب کیا اور ان مسائل کو زبانِ زدِ عام کر کے انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کے ذواتِ عالیہ پر بالعموم اور سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی ذاتِ والا کی عزت وعظمت پہ بالخصوص بدترین حملہ کیا ہے جسے بعض حالات میں ہمارے علماء نے کفر شمار کیا ہے۔

---

(225):(بہارِ شریعت 1/ 88)

انبیاءِ کرام سے خطا اجتہادی کا مسئلہ۔۔۔

علماء اسلام کے بیچ ہزارہا مسائل میں اختلاف ہے لیکن یہ اختلافات علمی اور دلائل کے باب سے تعلق رکھتے ہیں، کسی عالم نے اس قسم کے مسائل کو لے کر بے ادبیوں کا دروازہ کبھی نہیں کھولا۔ لیکن یہی مسائل جب نااہلوں کے ہاتھ آتے ہیں تو وہ اس قسم کے اختلافات کو لے کر اپنی بے راہ روی پر دلیل بنالیتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ خطیبِ مذکور اور موصوف کے حامیوں کی جانب سے دیکھنے میں آرہاہے۔

آج کل وہ لوگ سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے بولے گئے قبیح الفاظ سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے یہ رٹالگائے بیٹھے ہیں کہ:

"جب انبیاءِ کرام سے خطا اجتہادی ہو سکتی ہے، تو سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کے حق میں یہ کہنا بے ادبی کیسے بنے گا؟"

ہم سطورِ بالا میں کئی بار تنبیہ کر چکے کہ یہ سارے پینترے صرف اس لیےبدلے جارہے ہیں تاکہ عوام کی توجہات اصل مسئلہ سے ہٹائی جاسکیں۔ موصوف نے سیدۃ النساء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب مطلقا خطا کے وقوع کی نسبت کی، اور تکرار کیا۔ اس میں خطا اجتہادی کہاں سے آگئی؟

لیکن انہیں چونکہ توبہ نہیں کرنی، اس لیے کوئی نا کوئی جواب دیتے رہنا اور عوام کو بہکاتے رہناہے۔ اس لیے وہ سارے کام چھوڑ کر انبیاءِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کو اجتہادی خطاؤں کا مرتکب ثابت کرنا چاہ رہے ہیں، اور اس سلسلے میں انہوں نے"متفقہ اعلامیہ" کے اندر ایسی غلط عبارت تحریر کی جو انبیاء کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک

بہر حال چونکہ موصوف اس مسئلہ کو ڈھال بنا کر عوام کو دھوکا دینا چاہ رہے ہیں تو ضروری ہے کہ اس کی قدرے وضاحت ہو جائے۔

تو اس سلسلے میں سب سے پہلے ذہن میں رہے کہ:

انبیاء کرام اجتہاد فرماتے ہیں یا نہیں۔۔۔خود اسی مسئلہ میں اختلاف ہے۔

پھر اجتہاد فرماتے ہیں تو ان نفوسِ عالیہ سے خطا اجتہادی ہو سکتی ہے یا نہیں۔۔۔اس مسئلہ میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں، لیکن منصبِ نبوت کے لحاظ سے زیادہ مناسب، احوط و اسلم قول یہی ہے کہ:

انبیاءِ کرام بوقتِ حاجت اجتہاد تو فرماتے ہیں لیکن ان سے خطا کا صدور جائز نہیں۔

اور یہی ہمارے اکابر کا مختار ہے۔

❖ امام أبو اسحاق إبراهيم بن علي شيرازی کہتے ہیں:

ومن أصحابنا من قال لا يجوز عليه الخطأ(226)

ہمارے بعض اصحاب کی رائے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ خطا جائز نہیں۔

❖ امام أبو الحسن سید الدين علي بن أبي علي آمدی کہتے ہیں:

القائلون بجواز الاجتهاد للنبي عليه السلام اختلفوا في جواز الخطإ عليه في اجتهاده، فذهب بعض أصحابنا إلى المنع من ذلك(227)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں اجتہاد کے جواز کے قائلین کے مابین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطا کے جواز کی بابت اختلاف ہے، ہمارے بعض اصحاب اس کے منع کی جانب گئے ہیں۔

---

(226):(التبصرۃ ص524)

(227):(الاحکام فی اصول الاحکام4/216)

❖ کشف الاسرار میں اسے اکثر علماء کا موقف قرار دیتے ہوئے فرمایا

واجتهاده لا يحتمل الخطأ عند أكثر العلماء؛ لأنا أمرنا باتباعه في الأحكام بقوله عز وجل {فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما} وبغيره من الآيات فلو جاز الخطأ عليه لكنا مأمورين باتباع الخطأ، وذلك غير جائز(228)

اکثر علماء کے نزدیک آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اجتہاد خطا کا احتمال نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہم احکام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پیروی کے پابند ہیں، اس فرمانِ باری تعالی سے: تو تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک اپنے آپس کی جھگڑوں میں آپ کو حَکَم نہ بنائیں، پھر اپنے دلوں میں تمہارے فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائیں اور اسے اچھی طرح مان لیں۔ اور اس کے علاوہ آیات سے۔

پس اگر آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر خطا جائز ہوتی تو ہم خطا کی اتباع کے پابند قرار پاتے، اور یہ جائز نہیں۔

❖ قرطبی رحمہ اللہ تعالی نے اسے جمہور کی رائے قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ذهب الجمهور في أن جميع الأنبياء صلوات الله عليهم معصومون عن الخطأ والغلط في اجتهادهم(229)

یعنی انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کے بارے میں جمہور کی رائے ہے کہ یہ نفوسِ عالیہ سبھی کے سبھی بابِ اجتہاد میں خطا اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

---

(228):(کشف الاسرار 3/209)

(229): (تفسیر قرطبی 11/309)

❖ امام فخر الدین رازی تفسیرِ کبیر میں فرماتے ہیں:

دلت الآية على أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام معصومون عن الخطأ في الفتوى وفي الأحكام(230)

یہ آیہ مبارکہ دلالت کر رہی ہے کہ انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام فتوی میں اور فیصلوں میں خطا سے معصوم ہیں۔

❖ البحر المحیط پھر روح المعانی میں ہے:

ويعلم قطعا أن الأنبياء، عليهم السلام، معصومون من الخطايا، لا يمكن وقوعهم في شيء منها ضرورة أن لو جوزنا عليهم شيئا من ذلك، بطلت الشرائع، ولم نثق بشيء مما يذكرون أنه أوحى الله به إليهم(231)

اور یہ بات قطعی طور پہ معلوم ہے کہ انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام خطاؤں سے معصوم ہیں۔ ان سے کسی بھی قسم کی خطا کا واقع ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ بدیہی بات ہے کہ اگر ہم ان سے خطا کو جائز قرار دیں تو ساری شریعتیں باطل ہو جائیں گی ، اور ہمیں ان چیزوں میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں رہے گا کہ آیا یہ چیز اللہ نے ان کی طرف وحی فرمائی ہے۔

❖ التقریر والتحبیر میں ہے:

وقال الإمام الرازي والصفي الهندي: إنه الحق وجزم به الحليمي والبيضاوي وذكر السبكي أنه الصواب وأن الشافعي نص عليه في مواضع من الأم(232)

---

(230):(تفسیرِ کبیر 10/128)

(231):(البحر المحیط 9/151 ، روح المعانی 12/178)

(232):(التقریر والتحبیر 3/300)

امام رازی اور صفی ہندی نے فرمایا: یہی حق ہے اور حلیمی وبیضاوی نے اسی پہ جزم کیا۔ اور سبکی نے ذکر کیا کہ یہی درست ہے اور یہ کہ جنابِ امام شافعی نے "الام" میں کئی جگہ اس پہ نص فرمائی۔

❖ نہایۃ الوصول میں ہے:

إذا جوزنا له الاجتهاد فالحق عندنا أنه لا يجوز له أن يخطئ. لنا: أن تجويز الخطا عليه غض من منصبه فوجب أن لا يجوز. وأيضًا: فإن اجتهاده بتشريع الأحكام جار مجرى إبلاغ تشريعه فكما لا يجوز عليه الخطأ في ذلك فكذا فيما نحن فيه.واحتج الإمام- رحمه الله تعالى- على ذلك: بأنا مأمورون لاتباعه في الحكم لقوله تعالى. {فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجًا مما قضيت} فلو جاز عليه الخطأ لكنا مأمورين بالخطأ وذلك ينافي كونه خطأ.(230)

جب ہم نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے اجتہاد جائز کہا تو ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے جائز نہیں کہ آپ ﷺ خطا کریں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ: خطا کا جائز ہونا آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے منصب کے لائق نہیں ، پس واجب ہے کہ جائز نہ ہو۔ نیز: تشریعِ احکام سے متعلق آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اجتہاد شریعت کی تبلیغ کے درجہ میں ہے۔ پس جیسے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پہ تبلیغ میں خطا جائز نہیں، یونہی اس میں جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔

امام رحمہ اللہ تعالی نے اس پہ یہ دلیل پیش کی کہ: ہم حکم میں آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اتباع کے پابند ہیں۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ باری تعالی ہے: تو آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حَکَم نہ بنا

---

(230):(نھایۃ الوصول 8/3811)

لیں، پھر آپ کے فیصلہ پر دلوں میں کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں۔

پس اگر آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر خطا جائز ہوتی تو ہم خطا کے پابند ٹھہرتے، اور یہ اس کے خطا ہونے کے منافی ہے۔

❖ حاشیۂ توضیح و تصحیح میں ہے:

وقد ترك المصنف التنبيه على منع الخطأ في اجتهاده صلى الله عليه وسلم وهو الذي اختاره الإمام وقال أنه الحق(231)

مصنف نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اجتہاد میں خطا کے منع پر تنبیہ کو چھوڑ دیا، حالانکہ یہی امام کا مختار ہے اور آپ نے فرمایا یہی حق ہے۔

❖ شرح جلال محلی میں ہے:

والصواب أن اجتهاده - صلى الله عليه وسلم - لا يخطئ تنزيها لمنصب النبوة عن الخطأ في الاجتهاد (232)

اور درست یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اجتہاد خطا نہیں کھاتا۔ منصبِ نبوت کو اجتہادی خطا سے منزہ رکھنے کے لیے۔

ہم نے سطورِ بالا میں صراحت کی کہ یہ مسئلہ علماءِ اہلسنت کے مابین مختلف فیہاہے۔ لیکن انبیاءِ کرام سے خطا اجتہادی کے عدمِ جواز کا قول بہت سے شبہات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

❖ سنت کی حجیت پر اعتراض کرنے والوں کی طرف سے جب اس احتمال کو ذکر کیا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث قرآن کے خلاف ہو۔۔ جب قرآن کے خلاف ہو گی تو قابلِ عمل کیسے ہو گی؟

---

(231):(حاشیہ توضیح و تصحیح2/210)

(232):(شرح جلال محلی2/426)

علماء نے جوازِ خطا اور عدمِ جوازِ خطا ہر دو آراء پر اس اعتراض کا رد کیا، لیکن اس بات کی بھی تصریح کی کہ عدمِ جوازِ خطا والی رائے پر اس اعتراض کا جواب زیادہ مناسب ہے۔

شاطبی کہتے ہیں:

فإن الحديث إما بوحي من الله صرف، وإما اجتهاد من الرسول – عليه الصلاة والسلام – معتبر بوحي صحيح من كتاب أو سنة، وعلى كلا التقديرين لا يمكن التناقض مع كتاب الله؛ لأنه عليه الصلاة والسلام ﴿ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى * إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ﴾ ، وإذا فُرِّع على القول بجواز الخطأ في حقه فلا يقر عليه البتة، فلا بد من الرجوع إلى الصواب، والتفريع على القول بنفي الخطأ أولى ألا يحكم باجتهاده حُكمًا يعارض كتاب الله تعالى ويخالفه(233)

کیونکہ حدیث یا تو محض وحی الٰہی ہو گی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجتہاد ہو گا جس کا اعتبار کتاب وسنت کی وحی صحیح کے لحاظ سے ہو گا۔ بہر تقدیر کتاب الٰہی سے تناقض ممکن نہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مرضی سے کلام نہیں فرماتے، آپ کی گفتگو تو در حقیقت وحی ہوتی ہے جو آپ کو بھیجی جاتی ہے۔

جب اس مسئلہ کی تفریع آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خطا کے جواز کے قول پہ ہو تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پہ باقی نہیں رکھے جاتے، بلکہ درستی کی طرف رجوع لازمی ہوتا ہے۔ اور خطا کی نفی کے قول پہ تفریع زیادہ بہتر ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے کوئی ایسا حکم نہیں فرما سکتے جو کتاب الٰہی کے معارض و مخالف ہو۔

❖ یونہی جو لوگ انبیاءِ کرام کی جانب سے اجتہاد کو جائز نہیں سمجھتے ان کا رد بھی عدمِ

---

(233):(الموافقات4/335)

جوازِ خطا والے قول پر سہل ہے۔ ابو المظفر سمعانی مانعینِ اجتہادِ انبیاء کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فأما الذى اعتمدوه من قولهم إنه لو جاز الاجتهاد له لجاز لغيره مخالفته قلنا: نحن نقول: يجوز له صلى الله عليه وسلم الاجتهاد وأما مخالفة غيره له حرام فإن قيل: كيف يحرم مخالفة قول صدر عن اجتهاد؟ ويمنع مجتهد آخر عن الاجتهاد فيه.

ببينة: أنه لا يتصور أن يحرم على غيره المخالفة إلا بعد أن يكون الدليل قطعيا وإذا لم يكن للنبى صلى الله عليه وسلم في نفسه قطعيا كيف يكون في غيره قطعيا.

قلنا: بلى قد يجوز صدور القول عن اجتهاد لكن يحرم على غيره المخالفة لكونه نبيا في نفسه وإنما حرم المخالفة وإن صدر عن الإجتهاد لأنه صلى الله عليه وسلم كان معصوما عن الخطأ في الأحكام فإذا كان معصوما عن الخطأ محروسا عن الزلل كان مصدورا منه محكوما بصحته مقطوعا بذلك فلذلك حرمت المخالفة ومن استحل كفر ويجوز أن يصدر الحكم عن الاجتهاد ثم ينضم إليه ما يوجب القطع بالصحة ويتضمن تحريم المخالفة بدليل الإجماع الصادر عن الاجتهاد.(234)

بہر حال وہ بات جس پہ انہوں نے اعتماد کیا کہ اگر آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اجتہاد جائز ہوتا تو دوسروں کو آپ کی مخالفت بھی جائز ہوتی۔

ہم کہتے ہیں: ہم کہیں گے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے اجتہاد جائز ہے اور دوسرے کو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مخالفت حرام ہے۔

پس اگر کہا جائے: ایسے قول کی مخالفت کیسے حرام ہو سکتی ہے جس کا مصدر اجتہاد ہو؟ اور دوسرے مجتہد کو اس مسئلہ میں اجتہاد سے کیسے روکا جا سکتا ہے؟

---

(234):(قواطع الادلۃ 2/105)

اس دلیل سے کہ: دوسرے شخص پر مخالفت جبھی حرام ہو سکتی ہے جبکہ دلیل قطعی ہو، جب اجتہاد نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے اپنی ذات میں قطعی نہیں، دوسرے کے حق میں قطعی کیسے ہو سکتا ہے؟

ہم کہتے ہیں: کیوں نہیں۔ ایسے ہو سکتا ہے کہ ایک بات اجتہاد سے صادر ہو لیکن اپنی ذات کے لحاظ سے نبی ہونے کی وجہ سے دوسرے شخص پہ اس کی مخالفت حرام ہو۔ اگرچہ وہ قول اجتہاد سے صادر ہو، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم احکام میں خطا سے معصوم تھے۔

جب آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خطا سے معصوم اور لغزشوں سے محفوظ ہیں تو جو اجتہاد آپ سے صادر ہو گا وہ درست اور اس کی درستی قطعی ہو گی۔ اور اسی وجہ سے اس کی مخالفت حرام ہو گی۔ جو اس مخالفت کو حلال سمجھے گا کافر ہو جائے گا۔

اور جائز ہے کہ کوئی حکم اجتہاد سے صادر ہو پھر اس کے ساتھ ایسی چیز مل جائے جو صحت کی قطعیت کی موجب ہو اور مخالفت کی حرمت کو اپنے ضمن میں لیے ہو، س اجماع کی دلیل سے جو اجتہاد سے صادر ہوا۔

❖ نیز جوازِ خطا فرمانِ مصطفیٰ ﷺ میں توقف اور شک کا موجِب ہے تا آنکہ واضح نہ ہو جائے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ گفتگو بطورِ وحی فرمائی یا بطورِ اجتہاد۔ اور اگر بطورِ اجتہاد تو کہیں اس میں خطا تو نہیں ہوئی۔۔

اور فرمانِ مصطفیٰ ﷺ سننے کے بعد یہ ساری باتیں ذہن میں پیدا ہوتا

ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما

پھر اپنے دلوں میں اس سے تنگی محسوس نہ کریں جو آپ نے فیصلہ فرمایا اور اچھی طرح مان لیں۔

کے صریح منافی ہیں۔

❖ علاوہ ازیں:

امت باعتبار مجموع کے خطا سے معصوم ہے، بھلے وہ خطا اجتہادی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام سے خطا اجتہادی کے جواز کا قول کیا جائے تو امت باعتبار مجموع کا انبیاء سے بہتر ہونا لازم آئے گا وفیہ مالا یخفی

❖ نیز "انبیاء پر خطا اجتہادی کے جواز کا قول" ایسے امور کو جنم دیتا ہے، جن سے چھٹکارا عامی ذہن کے لیے قریب بہ ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء نے اسے اختیار نہیں کیا۔علامہ محمد بن حسن فاسی نے اجتہاد میں خطا کے قول کو شاذ قرار دیا اور فرمایا

والصواب أن اجتهاده -عليه السلام- لا يخطئ(235)

درست یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا اجتہاد خطا پہ نہیں ہو سکتا۔

❖ علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ان القول بجواز الخطاء عليهم فى اجتهادهم قول بعيد مهجور فلا يلتفت اليه(236)

انبیاءِ کرام پہ ان کے اجتہاد میں خطا کے جواز کا قول قولِ بعید متروک ہے، پس اس کی جانب توجہ نہ کی جائے۔

❖ اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالی نے اس کتاب کا حاشیہ لکھا اور علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالی کی اس گفتگو کو مقرر رکھا۔

❖ حضور قبلہ تاج الشریعہ رحمہ اللہ تعالی نے المعتقد کے ترجمہ میں فرمایا:

اس کے سوا یہ بات بھی ہے کہ نبیوں سے ان کے اجتہاد میں خطا کے جائز

---

(235):(الفکر السامی 1/138)

(236):(المعتقد ص112)

ہونے کا قول صحت سے دور مہجور ہے۔تو اسکی طرف التفات نہیں۔(237)
پس یہی قول اسلم واحوط، مقامِ نبوت کے اوفق، ادخل فی الادب اور کثیر شبہات کا قامع ہے۔

البتہ ایک رائے کے مطابق انبیائے کرام اجتہاد بھی فرماتے ہیں اور ان سے خطا اجتہادی کا صدور بھی ممکن ہے لیکن اس خطا پر بقاء ممکن نہیں۔۔اور اسی رائے کو بنیاد بنا کر خطیبِ مذکور کا دعوی ہے کہ:"موصوف کی گفتگو پر اعتراض کرنے والے سیدہ فاطمہ کو انبیاءِ کرام کے برابر بلکہ بڑا اقرار دے رہے ہیں"

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

موصوف کا اس رائے کو بنیاد بنا کر استدلال سراسر باطل ہے۔۔۔

ہم نے سطورِ بالا میں ذکر کیا کہ انبیاءِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام سے خطا اجتہادی کے صدور کا قول ہمارے اکابر کے ہاں بعید، مرجوح اور ناقابلِ التفات ہے۔لیکن چونکہ خطیبِ مذکور نے اپنے آپ کو درست ثابت کرنا ہے، لہذا اسی قولِ بعید و مہجور پر اپنے نظریات کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ قولِ مہجور بھی ان کی پناہ گاہ بننے سے قاصر ہے

1. اولا اس لیے کہ خطیب کا دعوی خطا مطلق کا ہے اور مسئلہ اجتہادِ انبیاء میں خطا مطلق نہیں بلکہ خطا اجتہادی کی بات ہو رہی ہے۔۔۔
2. اگر خطیبِ مذکور کے بقول اس کی پہلی گفتگو میں خطا بمعنی خطا اجتہادی مان لیا جائے جب بھی اس نے وقوع کی بات کی ہے جبکہ ان ائمہ کی رائے جواز کی ہے نہ کہ"ہر نبی"سے وقوع کی۔۔۔

(237):(ترجمہ المعتقد المنتقد از حضور قبلہ تاج الشریعہ رحمہ اللہ تعالی ص175)

3. ان علماء نے کسی نبی سے کسی خاص موقع پر اجتہادی خطا کے وقوع کا قول کیا ہے تو بعد از ثبوت" جبکہ خطیبِ مذکور نے ایسے موقع پر سیدہ رضی اللہ تعالی عنہا سے"خطا اجتہادی" کے صدور کا قول کیا جہاں نہ مسئلہ اجتہادیہ اور نہ "خطا" ثابت۔۔۔

4. خطیبِ مذکور کا یہ قیاس محض فاسد۔۔۔ کیونکہ حکم کا بعینہ تعدیہ قیاس کی شرائط سے ہے، اور مسئلہ مذکورہ میں باقی شرائط مان بھی لی جائیں جب بھی حکم کا بعینہ تعدیہ نہیں۔۔۔ مقیس علیہ میں خطا عدم تقریر کے ساتھ مقید اور مجوزین کے نزدیک یہ صفت لازمہ، جبکہ مقیس میں یہ صفت مفقود۔۔۔ جب قیاس کی شرائط میں خلل تو قیاس فاسد۔۔۔!!!

5. دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ موضوعِ مطلوب اور موضوعِ صغری میں اتحاد نہیں بلکہ محض اشتراک لفظی۔۔۔ لہذا یہ دلیل نہیں بلکہ اغالیط سے ہے۔۔۔!!!

6. فقط یہی نہیں، کبری کی کلیت بھی ہمیں تسلیم نہیں۔۔۔

7. نیز ہم پوچھیں گے کہ:

"خطا اجتہادی" صفتِ مدح ہے یا صفتِ ذم؟

بصورتِ اول جو صفتِ مدح انبیاءِ کرام سردارانِ خلائق کے لیے ثابت، ان کے لیے ثبوت سے دیگر خلائق کے لیے اثبات "ادنی کا اعلی پہ قیاس" جو محض فاسد اور بابِ تمثیل بناؤ تو اس کا رکن مفقود۔

اور اگر مطلقا صفتِ ذم کہو تو میں سمجھتا ہوں کہ کسی ایماندار کا ایمان اسے اجازت نہیں دے گا کہ ایسی چیز کی نسبت انبیاءِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کی طرف کرے۔

8. مزید بر آں:

سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے جس معاملہ کو لے کر شبہ وارد کیا جارہا ہے، اس پر لگایا جانے والا حکم "فی نفسہ" ہے یا کسی مقابل کے لحاظ سے؟

باعتبار مقابل ہونا تو ظاہر البطلان، لا محالہ فی نفسہ۔ اور مسئلہ ما نحن فیہا میں" خطا اجتہادی" باعتبار مقابل کے۔ اور "خطا اجتہادی فی نفسہ "اور " خطا اجتہادی باعتبارِ مقابل" ، "درجۂ کمال سے سقوط "اور " نظر عرف میں قصور" کے لحاظ سے متفاوت۔ اول ضعیف ثانی شدید۔۔۔اگر خطیبِ مذکور اور ان کے حامیوں کے اس قیاس میں باقی شرطوں کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی شدید کا ضعیف پر قیاس جو ظاہر الفساد۔

9. علاوہ ازیں: مجوزینِ خطا انبیاءِ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کی بابت جو بھی ذکر کرتے ہیں اس میں واقع سے مطابقت کا شدت سے لحاظ کیا جاتا ہے۔ حتی کہ ابن العربی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا:

وعهدنا إليكم عهدا لن تجدوا له ردا أن أحدا لا ينبغي أن يذكر نبيا إلا بما ذكره الله، لا يزيد عليه(238)

اور ہم نے تم سے اس بات پہ ایسا پختہ عہد لیا جس کو تم رد نہیں کر سکتے کہ کسی کو لائق نہیں کہ کسی بھی نبی کا ذکر کرے مگر اس طریقے سے جیسے اللہ جل وعزنے ان کا ذکر فرمایا اور اس پہ اضافہ نہ کرے۔

یعنی صرف اور صرف وہ جسے قرآنِ عظیم نے بیان کیا اس کے علاوہ اس باب میں مفسرین وغیرھم نے جو کچھ ذکر کیا اس کو بھی نہ بیان کیا جائے۔

مطلب یہ ہوا کہ: جس "خطا اجتہادی" کو مقیس علیہ بنایا جا رہا ہے اس کی واقع کے ساتھ مطابقت کا شدت سے لحاظ کیا گیا ہے، جبکہ جس" خطا اجتہادی" کو قیاس کیا جا رہا ہے اس کا واقع کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔۔۔ یہ آپ کے قیاس کے بطلان کی مستقل وجہ ہے۔

---

(238): (احکام القرآن 3/576)

10. نیز اسی رائے کے قائلین "اجماعِ امت میں امتناعِ خطا" کے قائل ہیں تو آپ کے قیاس کے مطابق امت کو نبی ﷺ کے برابر بلکہ افضل ماننا لازم آئے گا۔۔۔
تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

---*--*--*--*--*--*--*--*--*--*--*--*--*--*---

مسئلہ مبحوث عنہا میں انبیاءِ کرام کی مثالیں دینا ہر حال میں بے ادبی ہے

ہم مسئلہ خطا اجتہادی میں موصوف کی ساری باتیں مان لیں جب بھی اندازِ تعبیر بے ادبی پر مشتمل ہے۔ ہم حضرت آدم علیہ السلام تک رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد کے ایمان کے قائل ہیں لیکن جو لوگ بعض حضرات کے عدمِ ایمان کے قائل ہیں ان کی بھی فکر یہ ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو ادب کے باب میں مخل ہو، تفسیر منار میں ہے:

ولا يجوز أن يتجاوز ذلك إلى ما يخل بالأدب، ويؤذي الرسول أو آله بحسب أو نسب، وناهيك بالأم والأب، وبأبي طالب دون أبي لهب، بل لا ينبغي أن يذكر أبو لهب بسوء موصوفا بكونه عم الرسول - صلى الله عليه وسلم - إلا في مقام التعليم والبيان(239)

اور جائز نہیں کہ اس معاملے میں ایسی چیز کی طرف تجاوز کرے جو ادب میں خلل کا باعث ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی آل کی تکلیف کا سبب ہو، حسب کے لحاظ سے یا نسب کے لحاظ سے۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ، والدِ گرامی اور جنابِ ابو طالب کافی ہیں، نہ کہ ابو لہب۔ بلکہ ابو لہب کو

(239):(تفسیر منار 7/459)

بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا چچا کہتے ہوئے اس کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کیا جائے ، سوائے مقامِ تعلیم و بیان کے۔

اللہ اکبر!!!

آداب کا تقاضا تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا چچا کہتے ہوئے ابو لہب کو بھی برائی کے ساتھ ذکر نہ کیا جائے، اور ایک یہ موصوف ہیں کہ انبیاءِ کرام کا ذکر کر رہے ہیں اور متفقہ اعلامیہ جاری فرما رہے ہیں:

"انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام معصوم ہیں جبکہ ان سے معصومیت کے باوجود خطائے اجتہادی کا صرف امکان ہی نہیں بلکہ وقوع بھی مانا گیا ہے"

اربابِ ادب کا انداز:

جامعہ معظمیہ معظم آباد شریف (ضلع سرگودھا) کے ایامِ تدریس میں ایک بار امام صاحب نے دورانِ نماز سورہ "تبت" کی تلاوت کر دی۔ نماز کے بعد حضرت قبلہ خواجہ غلام حمید الدین معظمی رحمہ اللہ تعالی کی طرف سے امام صاحب کو بلا لیا گیا۔ قبلہ پیر صاحب رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا:

جب تبت پڑھی جائے تو ابو لہب کی تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور ہمیں حق نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چچا کی تکلیف میں اضافہ کا سبب بنیں۔ لہذا جہاں پڑھنا ضروری ہو وہاں پڑھیں۔

اقول: میں سورہ تبت کی تلاوت سے منع نہیں کرنا چاہ رہا، بلکہ محض اپنے بڑوں کے انداز ادب کا بیان مقصود ہے۔ ہمارے بڑے تو اس محتاط مقام پہ کھڑے رہیں، اور ہم جگر گوشۂ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پرواہ بھی نہ کریں تو ہمیں ان اکابر کا روحانی وارث کہلانے

کا حق نہیں پہنچتا۔

جنابِ عمر بن عبد العزیز کے پاس ایک کاتب مقرر کیا گیا جس کا باپ کافر تھا، جنابِ عمر نے فرمایا: مہاجرین کی اولاد میں سے کوئی ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔

کاتب بولا: باپ کے عدمِ ایمان نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی نقصان نہیں دیا (معاذ الله من ذلک)

جنابِ عمر نے فرمایا: تو نے اسے کہاوت بنا لیا؟ تو میرے سامنے کبھی بھی نہیں لکھے گا۔۔۔(240)

علی بن ابی حملہ کہتے ہیں کہ جنابِ عمر بن عبد العزیز نے سلیمان بن سعد سے کہا:

مجھے پتا چلا ہے کہ ہمارے فلاں جگہ کے عامل کا باپ زندیق ہے۔

سلیمان نے کہا: امیر المؤمنین! اس کا کوئی نقصان نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد کا بھی ایمان ثابت نہیں، ان کے عدمِ ایمان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔(معاذ الله من ذلک)

عمر بن عبد العزیز نے سنا تو انتہائی غضب ناک ہو گئے، فرمایا

وما وجدت له مثلا غير النبي صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ تجھے کوئی مثال نہیں ملی؟

پھر انہیں عہدے سے معزول کر دیا۔(241)

قابلِ غور بات ہے کہ یہاں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب نہیں بلکہ آپ کے والدِ گرامی کو حصۂ مثال و کہاوت بنایا گیا تو دونوں جگہ جنابِ عمر بن عبد العزیز نے اس

---

(240):(حلیۃ الاولیاء 5/283)

(241):(ذم الکلام واہلہ 813)

شخص کو معزول کر دیا، جبکہ خطیبِ مذکور اور متفقہ اعلامیہ کے اتحادی تو بلاواسطہ انبیاءِ کرام کے بارے میں "خطا" کی نسبت کرتے نظر آتے ہیں۔

اصرار:

خطیبِ مذکور کی اس بے ادبی کے بعد اکابر علماء بشمول وارثِ علومِ غزالئ زماں حضور قبلہ سید ارشد سعید کاظمی شاہ صاحب نے بھی توبہ ورجوع کا مطالبہ کیا۔ بعد ازاں حضرت قبلہ علامہ پیر سید نوید الحسن شاہ صاحب مشہدی(بھکھی شریف) ، قبلہ پیر سید کرامت علی شاہ صاحب(علی پور شریف) ، استاذ الاساتذہ قبلہ علامہ عبد الستار سعیدی(شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور) ، موصوف کے اپنے استاذِ گرامی قبلہ شیخ الحدیث مفتی ظہور احمد جلالی صاحب(مانگامنڈی) ، حضرت قبلہ پیر میاں ولید احمد شرقپوری صاحب(شرقپور شریف) اور دیگر اکابر اہلِ علم اس کے ادارے میں تشریف لے گئے، لیکن موصوف اپنی غلطی پہ ڈٹے ہوئے ہیں۔لہذا اب ان کا حکم مرتکبِ معصیت والا نہیں بلکہ "مُصِرّبر معصیت" والا بنے گا۔اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ اگر صغیرہ پر بھی اصرار ہو تو عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔فتح القدیر میں ہے:

العدالة تزول بالإصرار على الصغائر(242)

صغیرہ گناہوں پر اصرار سے عدالت زائل ہو جاتی ہے۔

کیونکہ اصرار سے صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔ہمارے فقہاء جابجا تصریح فرماتے ہیں:

الصغيرة بالإصرار عليها تصير كبيرة(243)

صغیرہ پر اصرار سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

اذان واقامت فرائضِ اسلامیہ سے نہیں، اگر اکا دکا بار رہ جائیں تو نمازوں کی صحت پر فرق نہیں پڑتا، لیکن اگر اہلِ علاقہ اس کے ترک پر مصر ہوں تو امام محمد رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک

---

(242):(فتح القدیر7/412)

(243):(بدائع الصنائع6/270، تبیین الحقائق4/226،المحیط البرھانی8/311،العنایۃ7/420،درر الحکام2/372،ردالمحتار5/473)

ان سے قتال کا حکم ہے، مبسوطِ سرخسی میں ہے:

قال محمد - رحمه الله تعالى - إذا أصر أهل المصر على ترك الأذان والإقامة أمروا بهما فإن أبوا قوتلوا على ذلك بالسلاح كما يقاتلون عند الإصرار على ترك الفرائض والواجبات

امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا جب کسی شہر والے اذان واقامت کے ترک پر مصر ہوں تو انہیں اذان واقامت کا حکم دیا جائے گا۔ اگر انکار کریں تو ہتھیار کے ساتھ ان سے قتال کیا جائے گا، جیسا کہ فرائض وواجبات کے ترک پر قتال کیے جائیں گے۔

پھر امام محمد رحمہ اللہ تعالی کی دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

ومحمد - رحمه الله تعالى - يقول ما كان من أعلام الدين فالإصرار على تركه استخفاف فيقاتلون على ذلك لهذا(244)

اور امام محمد رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: جو امور دین کی علامات سے ہوں، ان کے ترک پر اصرار استخفاف ہے۔ پس اسی وجہ سے اس قسم کے امور کے ترک پہ قتال کیے جائیں گے۔

محیطِ برہانی میں ہے:

ومحمد رحمه الله يقول: الأذان وصلاة العيد، ونحو ذلك، وإن كانت من السنن إلا أنها من أعلام الدين، فالإصرار على تركها استخفاف بالدين،

---

(244):(المبسوط للسرخسی 1/133)

فيقاتلوا على ذلك.(245)

اور امام محمد رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: اذان اور نمازِ عید اور اس کی امثال اگرچہ سنن سے ہیں لیکن یہ دین کی پہچان ہیں، لہذا ان کے ترک پہ اصرار دین کو ہلکا جاننے کے معنی میں ہے، لہذا اس پر ان سے قتال کیا جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

والمراد سنن الهدى كالجماعة والأذان والإقامة فإن تاركها مضلل ملوم كما في التحرير والمراد الترك على وجه الإصرار بلا عذر ولذا يقاتل المجمعون على تركها لأنها من أعلام الدين، فالإصرار على تركها استخفاف بالدين فيقاتلون على ذلك ذكره في المبسوط(246)

یہاں مراد سنن ہدی ہیں جیسا کہ جماعت اور اذان واقامت۔ کیونکہ انکو چھوڑنے والا گمراہی کی جانب منسوب اور مستحقِ ملامت ہے جیسا کہ تحریر میں فرمایا۔ اور ترک سے مراد بلاعذر بطورِ اصرار ترک ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ایسی سنن کے ترک پر متفق ہو جانے والوں سے قتال کیاجائے گا۔ کیونکہ یہ سنن دین کی علامات سے ہیں اور ان کے ترک پر اصرار دین کو ہلکا جاننے کے معنی میں ہے۔ پس اس پہ ان سے قتال کیا جائے گا جیسا کہ مبسوط میں ذکر فرمایا۔

حاصلِ گفتگو: چونکہ خطیبِ مذکور درجہ اصرار پہ ہے، لہذا اس کی بدعت اگر صغیرہ تھی تو بعد از اصرار کبیرہ بن چکی۔

---

(245):(المحیط البرھانی 1/339)

(246):(ردالمحتار 6/338)

بدعت کو نیکی سمجھنا:

خطیبِ مذکور صرف غلطی کا مرتکب نہیں ہوا، بلکہ اسے مباح بلکہ فکرِ اہلسنت کی ترجمانی قرار دیتا ہے۔ اور اس فکر کی ترویج واشاعت کو عظیم نیکی گردانتا ہے۔ یہی وجہ ہےکہ اپنی غلطی سے رجوع کرنے کے بجائے"لبیک یارسول اللہ" کے نعرے لگاتے ہوئے گرفتاری پیش کی۔ اور بدعت کو مباح یا نیکی سمجھنا ارتکابِ بدعت سے کہیں زیادہ شنیع ہے علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

واما من سب احدا من الصحابة فهو فاسق ومبتدع بالاجماع الا اذا اعتقد انه مباح او يترتب عليه ثواب كما عليه بعض الشيعة او اعتقد كفر الصحابة فانه كافر بالاجماع(247)

بہر حال جو شخص کسی بھی صحابی کو گالی دے تو وہ بالاجماع فاسق اور بدعتی ہے۔ الا آنکہ اسے مباح جانے یا اس پہ ثواب ملنے کا اعتقاد کرے، جیسا کہ بعض شیعہ کا نظریہ ہے، یا صحابہ کے کفر کا اعتقاد کرے تو اب بالاجماع وہ کافر ہے۔

پس جس طرح صحابہ کرام کو گالی دینے والے اور اسے مباح یا موجبِ ثواب سمجھنے والے کے حکم میں فرق ہے وہی معاملہ ایک عام خطاکار اور خطیبِ مذکور کے درمیان ہے۔

---*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*-*---

(247):(تنبیہ الولاۃ والحکام367)

داعیٔ بدعت:

خطیبِ مذکور کی حیثیت اب امورِ مذکورہ بالا کے محض مرتکب جیسی نہیں رہی بلکہ موصوف ان امور کے داعی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔وہ اپنے فعل کو فکرِ اہلسنت کی ترجمانی قرار دیتے ہیں، ان پر اعتراض کرنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس وقت یہ ایک مستقل فکر کی صورت اختیار کر گئی ہے، جو سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا کی جانب وقوعِ خطا کی نسبت پر مصر ہیں۔ بلکہ ایک ناعاقبت اندیش مولوی صاحب نے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خطا پہ اجماع کا دعوی کر مارا۔سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

اور داعیٔ بدعت کے احکام عام مبتدع سے مختلف ہوتے ہیں۔توضیح میں ہے:

صاحب البدعة يدعوالناس اليها ليس هو من الامة على الاطلاق

بدعتی چونکہ لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتاہے، وہ علی الاطلاق امتی نہیں ہے۔

تلویح پھر مرقات میں ہے:

لان المبتدع وان كان من اهل القبلة فهو من امة الدعوة دون المتابعة كالكفار(248)

کیونکہ بدعتی اگرچہ اہل قبلہ سے ہے لیکن امت اجابت میں نہیں بلکہ وہ مثل کفار امت دعوت میں سے ہے۔

بدعت کی طرف دعوت ایسابد ترین فعل ہے کہ اس سے بدعتِ صغیرہ بھی کبیرہ کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔بدعت اگر صغیرہ ہو تو شاطبی رحمہ اللہ تعالی نے اس کے صغیرہ رہنے کے

(248):(توضیح علی التنقیح معہ التلویح ۲/ ۲۳۷،مرقاۃالمفاتیح9/4044)

لیے چار شرطیں بیان فرمائیں:

1. صاحبِ بدعت اس پہ ہمیشگی نہ کرے۔
2. لوگوں کو اس کی دعوت نہ دے۔
3. اس کا ارتکاب عام اجتماعات اور ایسی جگہوں پر نہ ہو جہاں اسلامی شعائر کی سربلندی کا کام ہوتا ہے۔ اور اگر عام اجتماعات میں اس کا اظہار ہو اور ایسے لوگوں کی طرف سے ہو جنہیں لوگ پیشوا سمجھتے ہیں تو شاطبی فرماتے ہیں کہ یہ چیز اسلام کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ خطیبِ مذکور نے جس بدترین رستے کو چنا ہے، اس کی تبلیغ واشاعت میں بھرپور طریقے سے مصروف رہے ہیں۔ کئی ایک ویڈیو کلپس جاری کیے اور یوٹیوب چینل اور دیگر سماجی رابطے کی ویب سائیٹس کے ذریعے انہیں دنیا بھر میں پھیلایا، لہذا اب بھی موصوف کی بدعت کو معمولی سمجھنا بہت بڑی نادانی ہے۔

4. اسے ہلکا و معمولی نہ سمجھا جائے۔

شاطبی رحمہ اللہ تعالی کی کلام کچھ طویل ہے لیکن فوائدِ کثیرہ کی حامل، لہذا قدرے اختصار کے ساتھ اسے پیش کیا جاتا ہے، فرمایا:

وإذا سلمنا : إن من البدع ما يكون صغيرة؛ فذلك بشروط:

أحدها: أن لا يداوم عليها، فإن الصغيرة من المعاصي لمن داوم عليها تكبر بالنسبة إليه؛ لأن ذلك ناشئ عن الإصرار عليها، والإصرار على الصغيرة يصيرها كبيرة، ولذلك قالوا: "لا صغيرة مع إصرار، ولا كبيرة مع استغفار" . فكذلك البدعة من غير فرق، إلا أن المعاصي من شأنها في الواقع أنها قد يصر عليها، وقد لا يصر عليها، وعلى ذلك ينبني طرح الشهادة، وسخطة الشاهد بها أو عدمه، بخلاف البدعة فإن شأنها في

الواقع المداومة عليها ، والحرص على أن لا تزال من موضعها، وأن تقوم على تاركها القيامة، وتنطلق عليه ألسنة الملامة، ويرمى بالتسفيه والتجهيل، وينبز بالتبديع والتبديل ، ضد ما كان عليه سلف هذه الأمة، والمقتدى بهم من الأئمة.

اور جب ہم تسلیم کر لیں کہ بعض بدعات صغیرہ ہوتی ہیں، تو اس کے لیے چند شرطیں ہین

پہلی شرط: اس بدعت پر ہیشگی نہ کرے، کیونکہ صغیرہ گناہ بھی ہیشگی کی وجہ سے اس شخص کے لحاظ سے کبیرہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ ہیشگی اس گناہ پر اصرار سے پیدا ہوتی ہے اور صغیرہ پر اصرار اسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔ اسی لیے علماء نے فرمایا

اصرار کے ہوتے ہوئے صغیرہ کوئی نہیں اور استغفار کے ہوتےہوئے کبیرہ کوئی نہیں۔

بغیر کسی فرق کے یہی حال بدعت کا ہے۔

البتہ گناہ کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر کبھی اصرار ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اور اسی پر گواہی کا رد مبنی ہوتا ہے اور گواہ کے اس گناہ سے رضامند ہونے یا نہ ہونے پر۔ برخلاف بدعت کے کہ اس کا معاملہ ہیشگی ہی کا ہوتا ہے اور اس چیز کی حرص ہوتی ہے کہ اسے اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جائے اور جو اس بدعت کو چھوڑے اس پہ قیامت ٹوٹ پڑے اور اس پہ ملامت کی زبانیں کھلیں اور اسے بیوقوف اور جاہل کہا جائے اور اسے بدعتی اور دین بدلنے والا جیسے لقب دیئے جائیں، بالکل اس کے برخلاف جس پہ اسلاف امت اور پیشوایانِ ملت تھے۔

دوسری شرط بیان کرتے ہوئے فرمایا

والشرط الثاني: أن لا يدعو إليها، فإن البدعة قد تكون صغيرة بالإضافة، ثم يدعو مبتدعها إلى القول بها، والعمل بمقتضاها ، فيكون إثم ذلك كله عليه؛ فإنه الذي أثارها، وبسببه كثر وقوعها والعمل بها؛ فإن الحديث الصحيح قد أثبت أن كل من سن سنة

سيئة؛ كان عليه وزرها ووزر من عمل بها، لا ينقص ذلك من أوزارهم شيئا، والصغيرة مع الكبيرة إنما تفاوتهما بحسب كثرة الإثم وقلته، فربما تساوي الصغيرة . من هذا الوجه . الكبيرة، أو تربي عليها.

فمن حق المبتدع إذا ابتلي بالبدعة أن يقتصر بها على نفسه، ولا يحمل مع وزره وزر غيره.

وفي هذا الوجه قد يتعذر الخروج عنه ؛ فإن المعصية فيما بين العبد وربه يرجو فيها من التوبة والغفران ما يتعذر عليه مع الدعاء إليها،

بدعت کے صغیرہ رہنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ صاحبِ بدعت اپنی بدعت کی طرف دعوت نہ دے۔ کیونکہ بدعت کبھی اضافی طور پر چھوٹی ہوتی ہے، پھر اس بدعت کو نکالنے والا اس کے موافق رائے رکھنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کی دعوت دیتا ہے تو اس سبھی کا گناہ اسی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی نے اسے بھڑکایا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کا وقوع اور اس پہ عمل بڑھا ہے۔ کیونکہ حدیثِ صحیح نے ثابت کیا کہ جس شخص نے برا رستہ نکالا اس پر اس رستہ نکالنے کا بھی گناہ ہو گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا اور ان عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کسی طرح کی کمی نہ ہو گی۔

اور صغیرہ اور کبیرہ کا فرق گناہ کی کمی اور بیشی کے لحاظ سے ہوتا ہے، پس بعض اوقات چھوٹی بدعت دعوت کے باعث کبیرہ بن جاتی ہے یا اس سے بھی زائد ہو جاتی ہے۔

لہذا بدعتی کو چاہیے کہ اگر بدعت میں پڑ جائے تو اسے اپنے آپ تک رکھے اور اپنے گناہ کے ساتھ دوسروں کا گناہ نہ اٹھائے۔ دعوت کی صورت میں اس بدعتی کا بدعت سے نکلنا دشوار ہو جاتا ہے، کیونکہ جو گناہ بندے اور رب کے بیچ ہو اس میں توبہ اور بخشش کی امید ہوتی ہے ،جو اس بدعت کی طرف دعوت کی صورت میں متعذر ہو جاتی ہے۔

تیسری شرط کے بیان میں فرمایا:

والشرط الثالث: أن لا تفعل في المواضع التي هي مجتمعات الناس، أو المواضع التي تقام فيها السنن، وتظهر فيها أعلام الشريعة: فأما إظهارها في المجتمعات ممن يقتدى به، أو ممن يحسن به الظن: فذلك من أضر الأشياء على سنة الإسلام، فإنها لا تعدو أحد أمرين: إما أن يقتدى بصاحبها فيها، فإن العوام أتباع كل ناعق: لا سيما البدع التي وكل الشيطان بتحسينها للناس، والتي للنفوس فيها هوى ، وإذا اقتدي بصاحب البدعة الصغيرة كبرت بالنسبة إليه، لأن كل من دعا إلى ضلالة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها، فعلى حسب كثرة الأتباع يعظم عليه الوزر.

تیسری شرط یہ ہے کہ ایسی جگہوں میں نہ کی جائے جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں، یا ایسی جگہیں جن میں سنن قائم کی جاتی ہیں اور شریعت کے علامات کا اظہار ہوتا ہے۔ جب بدعت کا اظہار اجتماعات میں ایسی شخصیات کی طرف سے ہو جن کی اقتداء کی جاتی ہے یا جن کے ساتھ خوش گمانی وابستہ ہوتی ہے تو یہ چیز راہِ اسلام پہ سب سے زیادہ باعثِ ضرر ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی ایک معاملہ ضرور درپیش ہوتا ہے:

یا تو صاحب بدعت کی اس بدعت کے معاملے میں پیروی کی جائے گی۔ کیونکہ عوام ہر پکارنے والے کے پیچھے چل پڑنے والے ہوتے ہیں، اور بالخصوص بدعات جن کو لوگوں کی نظر میں سجا کر پیش کرنے کی ذمہ داری شیطان کی ہے اور وہ جو خواہش نفس کے موافق ہوتی ہیں۔ جب صاحبِ بدعتِ صغیرہ کی اقتداء کی جائے گی تو وہ اس کے اعتبار سے کبیرہ بن جائے گی، کیونکہ جو شخص گمراہی کا داعی ہو اس پر اس گمراہی کا گناہ ہو گا اور اس پہ عمل

کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا، پس پیروکاروں کی کثرت سے اس کا گناہ بڑھ جائے گا۔

مزید فرمایا:

وهذا بعينه موجود في صغائر المعاصي، فإن العالم مثلا إذا أظهر المعصية . وإن صغرت .؛ سهل على الناس ارتكابها، فإن الجاهل يقول: لو كان هذا الفعل كما قال من أنه ذنب، لم يرتكبه، وإنما ارتكبه لأمر علمه دوننا، فكذلك البدعة إذا أظهرها العالم، اقتدي به فيها لا محالة ؛ فإنها مظنة التقرب في ظن الجاهل؛ لأن العالم يفعلها على ذلك الوجه، بل البدعة أشد في هذا المعنى؛ إذ الذنب قد لا يتبع عليه، بخلاف البدعة، فلا يتحاشى أحد عن اتباعه، إلا من كان عالما بأنها بدعة مذمومة، فحينئذ تصير في درجة الذنب، فإذا كانت كذلك صارت كبيرة بلا شك، فإن كان داعيا إليها فهو أشد، وإن كان الإظهار باعثا على الاتباع؛ فبالدعاء يصير أدعى إليه.

اور یہ معاملہ صغیرہ گناہوں میں بھی موجود ہے۔ کیونکہ عالم جب اظہارِ معصیت کرے گا، بھلے وہ صغیرہ ہو، لوگوں پر اس کا ارتکاب آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ جاہل کہے گا اگر یہ فعل ویسا ہوتا جیسا انہوں نے کہا کہ یہ گناہ ہے تو وہ عالم اس کا ارتکاب نہ کرتا۔ اس نے اس کا ارتکاب یقیناً کسی ایسی وجہ سے کیا ہے جسے وہ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے۔

یہی معاملہ بدعت کا ہے، جب عالم اس کا اظہار کرے گا تو لازمی طور پر اس کی اقتداء کی جائے گی، کیونکہ جاہل کی نظر میں یہ نیکی کا ذریعہ ہے، کیونکہ عالم اسے اسی انداز میں کرے گا۔ بلکہ بدعت اس معنی میں زیادہ سخت ہے، کیونکہ گناہ کی بعض اوقات پیروی نہیں بھی کی جاتی برخلاف بدعت کے، کوئی شخص اس کی پیروی سے بچنے کی کوشش نہ کرے گا، سوائے اس شخص کے کہ جو جانتا ہو کہ یہ بدعتِ مذمومہ ہے، ایسی صورت میں وہ بدعت گناہ کے

درجہ میں آجائے گی۔ پس جب بدعت کی یہ حالت ہو تو وہ کبیرہ بن جائے گی، پھر جب اس کی دعوت دے گا تو وہ مزید سخت ہو گی۔ اور اگر اظہار پیروی کا باعث ہو تو بلانے کی وجہ سے اس کا بڑا داعی بن جائے گا۔

پھر فرمایا:

وأما اتخاذها في المواضع التي تقام فيها السنن: فهو كالدعاء إليها بالتصريح؛ لأن محل إظهار الشعائر الإسلامية يوهم أن كل ما أظهر فيها فهو من الشعائر، فكأن المظهر لها يقول: هذه سنة فاتبعوها.

بہر حال بدعات کا ایسی جگہوں میں ارتکاب جہاں سنن کی اقامت ہوتی ہے، یہ ارتکاب صراحتہً دعوت کی مانند ہے۔ کیونکہ شعائرِ اسلامیہ کے اظہار کا محل وہم ڈالتا ہے کہ جو چیز یہاں ظاہر کی جائے گی وہ شعائر ہی سے ہو گی۔ تو گویا کہ اظہار کنندہ کہہ رہا ہے

یہ سنت ہے، اس کی پیروی کرو۔

چوتھی شرط کو بیان کرتے ہوئے کہا:

والشرط الرابع: أن لا يستصغرها ولا يستحقرها . وإن فرضناها صغيرة ، فإن ذلك استهانة بها، والاستهانة بالذنب أعظم من الذنب، فكان ذلك سببا لعظم ما هو صغير. وذلك أن الذنب له نظران: نظر من جهة رتبته في الشرع ، ونظر من جهة مخالفة الرب العظيم به.

فأما النظر الأول: فمن ذلك الوجه يعد صغيرا إذا فهمنا من الشرع أنه صغير، لأنا نضعه حيث وضعه الشرع.

وأما النظر الآخر: فهو راجع إلى اعتقادنا في العمل به؛ حيث نستحقر مواجهة الرب سبحانه بالمخالفة، والذي كان يجب في حقنا أن نستعظم ذلك جدا، إذ لا فرق في التحقيق بين المواجهتين: المواجهة بالكبيرة، والمواجهة بالصغيرة.

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس بدعت کو معمولی اور حقیر نہ سمجھے۔اگرچہ ہم اس بدعت کو صغیرہ فرض کرلیں، لیکن اسے معمولی اور حقیر سمجھنا اس کی استہانت وہلکا جاننا ہے اور گناہ کو ہلکا جاننا گناہ سے زیادہ بڑا ہے۔پس یہ امر صغیر کے کبیرہ ہوجانے کا سبب بن جائے گا۔

یہ اس لیے کہ گناہ کے دو اعتبار ہیں۔ایک اعتبار شرع میں اس کے رتبہ کا اور دوسرا اس گناہ کی وجہ سے رب عظیم کے مخالفت کا۔

پہلے اعتبار سے صغیرہ صغیرہ شمار ہوتا ہے، جبکہ ہمیں شرع سے سمجھ آئے کہ یہ صغیرہ ہے۔ کیونکہ ہم نے اسے وہیں رکھا ہے جہاں شرع شریف نے اسے رکھا ہے۔

بہر حال دوسرا اعتبار تو اس کا مرجع"وہ کام کرتے وقت ہمارا اعتقاد" ہے۔کیونکہ ہم رب جل وعز کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے سامنا کو حقیر جان رہے ہیں۔حالانکہ ہمارے حق میں واجب یہ ہے کہ ہم اسے بہت زیادہ بڑا سمجھیں، کیونکہ درحقیقت دونوں طرح کا سامنا، وہ سامنا کبیرہ کے ساتھ ہو یا صغیرہ کے ساتھ، اس میں کوئی فرق نہیں۔

آخر میں فرمایا:

فإذا تحصلت هذه الشروط؛ فإذ ذاك يرجى أن تكون صغيرتها صغيرة ، فإن تخلف شرط منها أو أكثر؛ صارت كبيرة، أو خيف أن تصير كبيرة ، كما أن المعاصي كذلك، والله أعلم.(249)

پس جب یہ شرطیں پائی جائیں تو امید کی جاسکتی ہے کہ بدعت صغیرہ صغیرہ رہے۔اور اگر ان میں سے کوئی ایک یا زیادہ شرطیں مفقود ہوں تو وہ کبیرہ بن جائے گی، یا ڈر ہو گا کہ وہ کبیرہ بن جائے، جیسا کہ گناہوں کا بھی یہی معاملہ ہے۔

---

(249):(الاعتصام للشاطبی2/404تا415)

شاطبی رحمہ اللہ تعالی کی گفتگو کے ملاحظہ کے بعد شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ خطیبِ مذکور کی بدعت اہلِ سنت کے لیے کس قدر خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔ موصوف اپنی غلطی پہ ڈٹ چکا ہے اور اس پہ لیکچرز دے رہا ہے۔ اسے اہلسنت کی فکر قرار دے کر اس کی طرف دعوت دے رہا ہے، جو بھی اعتراض کے لیے اٹھتا ہے، اس کے خلاف ویڈیو کلپ جاری کر کے اس کی تذلیل و تحقیر کی کوشش کرتا ہے۔ اور نوجوان طبقہ میں سے ایک تعداد موصوف کی ہمنوا بن چکی ہے۔ لہذا ایسے امور کے ہوتے ہوئے اس کی بدعت معمولی نہیں رہی، بلاشبہ کبائر سے بن چکی، جن کی بنیاد پر خروج از جماعت کا حکم دیا جاتا ہے۔

شاطبی رحمہ اللہ تعالی نے مزید فرمایا:

بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(1) وہ بدعت جس کی محبت بدعتی کے دل میں گھر کر چکی ہو۔

(2) وہ بدعت کہ بدعتی اس کا مرتکب تو ہو لیکن اس کی محبت اس کے دل میں گھر کیے ہوئے نہ ہو۔

پھر دونوں کے بیچ فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

والفرق بينهما . والله أعلم . أحد أمرين: إما أن يقال: إن الذي أشربها من شأنه أن يدعو إلى بدعته فيظهر بسببها الموالاة و المعاداة، والذي

لم يشربها لا يدعو إليها أو لا ينتصب للدعاء إليها،

ان دونوں کے بیچ فرق–اور اللہ جل وعز زیادہ علم والا ہے–دو میں سے کوئی ایک امر ہے:

یا تو یوں کہا جائے کہ جس شخص کے دل میں بدعت گر کر گئی ہو، اس کی حالت یہ ہو گی کہ اپنی بدعت کی طرف بلائے گا اور اس بدعت کی وجہ سے دوستیاں اور دشمنایں ظاہر ہوں گی اور جس شخص کے دل میں بدعت جاگیر نہ ہوئی ہو وہ اس بدعت کی دعوت نہ دے گا، یا اس کی طرف دعوت کے لیے نہ اٹھے گا۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ووجه ذلك أن الأول لم يدع إليها إلا وهي قد بلغت من قلبه مبلغا عظيما بحيث يطرح ما سواها في جنبها، حتى صار ذا بصيرة فيها لا ينثني عنها، وقد أعمت بصره وأصمت سمعه واستولت على كليته، وهي غاية المحبة، ومن أحب شيئا من هذا النوع من المحبة والى بسببه وعادى، ولم يبال بما لقي في طريقه،

بخلاف من لم يبلغ ذلك المبلغ، فإنما هي عنده بمنزلة مسألة علمية حصلها، ونكتة اهتدى إليها، فهي مدخرة في خزانة حفظه يحكم بها على من وافق أو خالف، لكن بحيث يقدر على إمساك نفسه عن الإظهار مخافة النكال أو القيام عليه بأنواع الإضرار، ومعلوم أن كل من داهن على نفسه في شيء وهو قادر على إظهاره لم يبلغ منه ذلك الشيء مبلغ الاستيلاء، فكذلك البدعة إذا استخفى بها صاحبها.

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا شخص بدعت کی طرف جبھی بلائے گا جبکہ بدعت اس کے دل میں اتنی بڑی جگہ گھیر چکی ہو گی کہ اس کے علاوہ سب کچھ پھینک دے گا۔ یہاں تک کہ اس بدعت کے معاملے میں ایسا صاحب بصیرت ہو جائے گا کہ اس سے نہ ہٹے گا۔ بدعت اس کی نظر کو اندھا اور اس کی سماعت کو بہرہ کر دے گی اور اس پر مکمل طور پہ مسلط ہو جائے گی اور یہ انتہائی محبت ہے۔ اور جو شخص کسی چیز سے اس قسم کی محبت کرتا ہے، اس کے سبب دوستی اور دشمنی رکھتا ہے اور اس کی راہ میں جو حالات در پیش ہوں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔

بر خلاف اس شخص کے کہ جو اس درجہ تک نہ پہنچا ہو، اس کی نظر میں یہ بدعت ایک علمی مسئلہ کی حیثیت رکھتی ہے جو اسے حاصل ہوا اور ایک نکتہ جس کی طرف اس نے راہ پائی۔ وہ نکتہ اس کے حافظہ میں مخزون رہتا ہے اور اس کے ذریعے وہ موافق یا مخالف پہ حکم لگاتا ہے لیکن اس درجہ پر کہ سزا کے خوف سے یا اس پر مصائب و آلام کے آ جانے کے ڈر سے اپنے آپ کو اس بدعت کے اظہار سے روکنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ جو شخص اظہار کی طاقت کے باوجود ضمیر کی پوشیدہ بات کے بر خلاف ظاہر کرے، وہ چیز اس پر تسلط کے درجہ تک نہیں پہنچی ہوتی، یونہی بدعت کا معاملہ ہے جبکہ بدعتی اسے چھپاتا ہو۔

پھر فرمایا:

وإما أن يقال: إن من أشربها ناصب عليها بالدعوة المقترنة بالخروج عن الجماعة والسواد الأعظم، وهي الخاصية التي ظهرت في الخوارج وسائر من كان على رأيهم.

یا یوں کہا جائے کہ: بدعت جس شخص کے دل میں گر کئے ہو گی وہ اس کی طرف ایسی دعوت کے لیے کھڑا ہو جائے گا جو جماعت اور سواد اعظم سے خروج سے جڑی ہو گی اور یہی وہ خاصیت ہے جو خوارج میں اور ان کے ہم رائے باقی لوگوں میں ظاہر ہوئی۔

بعد ازاں ایک حکایت ذکر کی، جس میں مجسمہ کی بدعت کا ذکر کیا اور ان کا اہل حق سے لڑائی

جھگڑا جو قتال تک جا پہنچا، بیان کرنے کے بعد فرمایا:

فهذا أيضا من قبيل من أشرب قلبه حب البدعة حتى أداه ذلك إلى القتال ، فكل من بلغ هذا المبلغ حقيق بأن يوصف بالوصف الذي وصف به رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأن يعد من ذلك الحزب.(250)

یہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ جس کے دل میں بدعت کی محبت گر کر چکی ہو، یہاں تک کہ یہ محبت اسے جھگڑے تک لے جاتی ہے۔

پس جو شخص اس درجہ تک پہنچ چکا ہو وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اسے وہ وصف دیا جائے جو اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے دیا اور وہ اسی جماعت سے شمار کیا جائے

شاطبی رحمہ اللہ تعالی کی بیان کردہ علامات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ خطیبِ مذکور نے جس بدعت کا اختراع کیا ہے اس کی محبت اس کے دل میں گر کر چکی ہے۔ اور اس قسم کی بدعت بھی خروج از جماعت کا باعث بنتی ہے

---

(250):(الاعتصام للشاطبی 3/ 226، 227، 228)

بہر حال:

سطورِ بالا میں خطیبِ مذکور کی بیسیوں چھوٹی بڑی غلطیاں اور ان کے لحاظ سے حکم مذکور ہوا۔ اور یہ سارا نتیجہ اس ہٹ دھرمی کا ہے جو ابتدائی غلطی پہ ڈٹ جانے کے نتیجے میں سامنے آئی۔ اگر بات صرف ابتدائی غلطی کی ہوتی تو خطیب مذکور سے متعلقہ حکم میں وہ شدت نہ آتی جو ان امورِ کثیرہ کے باعث پیدا ہو گئی ہے۔

ان امورِ بالا کے پیشِ نظر:

خطیبِ مذکور ضال، مُضِل، منہجِ اہلسنت سے الگ ہے۔وقد ذكرنا غير مرة انه يلزم من كلامه كفر بوجوه عديدة لكن لانكفر احدا من المسلمين متى امكن حمل كلامه على محمل حسن او وجدت رواية أنه لا يكفر ولو رواية ضعيفة ولو كانت الرواية لغير أهل مذهبنا اور اہلسنت پہ لازم کہ اس کی تحریک کا حصہ بننے، اس کو اور اس کے حامیوں کو سننے اور ہم نشینی سے مکمل اجتناب کریں۔

والله عز اسمه اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم

وانا العبد الفقير الى الله الغنى

ابو اريب محمد چمن زمان نجم القادرى

رئيس جامعة العين ـ سكهر

17 ذو الحجة الحرام 1441ھ / 08 اگست 2020ء

فہرست